بگرامی خدمت الحاج شاہ حسین الدین صاحب

قَالَ تَعَالٰی فِی اَصْحَابِ الْکَہْفِ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ نَبَأَھُمْ بِالْحَقِّ

چوں نص مزبور بعلتہ دال است

بر مطلوبیت ذکر مشاکلان اصحاب کہف کہ مصادیق ایں اشعار باشند

اے بسا اصحاب کہف اندر جہاں ⁂ پہلوئے تو پیش تو ہست ایں زماں

حال عارف ایں بود بیخواب ہم ⁂ گفت یزداں ہم رقود زایں مرم

خفتہ از احوال دنیا روز و شب ⁂ چوں قلم در پنجہ تقلیب رب

در رسالہ ہذا کہ ملقب و موضوع است ازیں شعر ظاہر

گر شوی در دین مہمان خلیل ⁂ جا ہست نوشی از زبیل

خوان خلیل

کہ از افادات حکیم الامۃ مجدد الملۃ سراج العلماء حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی دام ظلہم العالی مشتمل بود بر نبذے از حالات راس المحدثین تاج المناظرین حضرت مولانا مولوی الشاہ خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہ عمدہ ایں اصحاب عظام و آں حالات مشابہ صحاف جام بود افادۃ للطالبین مع اضافہ حواشی و ضمائم از حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب زید مجدہ السامی

احقر نصیر الدین عفی عنہ ناظم کتب خانہ یحیوی مظاہر علوم سہارنپور شائع نمود

قیمت غیر مجلد 1/25

اسلامی پرنٹنگ پریس دیوبند

ترجمہ ٹائیٹل

ترجمہ آیت شریفہ:- اللہ جل شانہٗ نے اصحاب کہف کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم تجھ پر (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کا واقعی قصہ بیان کرتے ہیں الآیہ

چونکہ آیت شریفہ بالا اپنے منشار اور سبب کے اعتبار سے دلالت کر رہی ہے اصحاب کہف کے جو مشابہ ہیں ان لوگوں کے ذکر خیر کے مطلوب ہونے پر جو مندرجہ ذیل اشعار کے مصداق ہیں ؎

(ترجمہ اشعار) بہت سے اصحاب کہف دنیا میں تمہارے سامنے تمہارے پہلو اسوقت بھی موجود ہیں عارفوں کا یہ حال بغیر نیند کے بھی ہوتا ہے۔ جن کے بارے میں اللہ جل شانہٗ نے "وَهُمْ رُقُوْدٌ" (وہ سوئے ہوئے ہیں) فرمایا کہ ان سے نہ بھاگنا چاہئے کہ وہ دنیا کے حالات سے رات دن سوئے ہوئے (بے خبر) ہیں۔ قلم کی طرح سے حق تعالیٰ کے تصرف کے پنجہ میں ہیں۔

اور رسالہ ہذا کا لقب اور موضوع اس شعر سے ظاہر ہے ؎

اگر تو دریں میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا مہمان ہونا چاہے تو اس

خوان خلیل

سے جام پر جام پی۔ یہ رسالہ حضرت مجدد الملۃ حکیم الامۃ سراج العلماء حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی کے افادات سے ہے اور مشتمل ہے راس المحدثین تاج المناظرین حضرت مولانا مولوی الشاہ خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چند حالات پر کہ جو ان اصحاب عظام کے اعلیٰ فرد ہیں اور ان کے حالات کا مجموعہ مشابہ ہے شراب عشق کے پیالوں کے۔

طالبین کے فائدہ کے لئے حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے ضمائم اور حواشی کے اضافہ کے ساتھ۔ احقر نصیر الدین عفی عنہ نے

کتب خانہ یحیوی متصل مظاہر علوم سہارنپور

سے شائع کیا

تمہید طبع خوان خلیل

از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مد ظلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اس ناکارہ کو ہمیشہ اپنے اکابر کے حالات کے سننے اور جمع کرنے کا سوانح لکھوانیکا بہت ہی اشتیاق رہا۔ تذکرۃ الخلیل میں جیسا کہ خود مولانا مرحوم نے بھی تحریر فرمایا اس ناکارہ کے اصرار کو بہت دخل تھا، اسی طرح حضرت رائپوری نور اللہ مرقدہ چچا جان قدس سرہ، عزیز مولوی یوسف نور اللہ مرقدہ کی سوانحوں کی تالیف میں اس ناکارہ کا بہت دخل رہا۔ مگر افسوس کہ تذکرۃ الرشید یعنی سوانح قطب العالم حضرت اقدس گنگوہی اور تذکرۃ الخلیل جس میں میرے پانچ اکابر کے مختصر حالات ہیں حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب نور اللہ مرقدہ جو ان دونوں کتابوں کے مصنف تھے ان کے انتقال کے بعد سے ان دونوں کتابوں کی طباعت کا سلسلہ بند ہوگیا، ہر چند میں نے مولانا مرحوم کے صاحبزادگان پر اصرار کیا اور تقاضے کئے کہ یہ جواہر پارے اسی طرح مولانا کی دیگر تصانیف علمی و دینی ذخیرے کے ساتھ ساتھ بہت ہی مقبول عام کتابیں ہیں۔ مگر ان عزیزوں کو دوسرے قصوں کی وجہ سے ان کی طرف توجہ نہ ہوئی بالآخر تذکرۃ الخلیل تو میں نے گذشتہ سال عزیزم مولوی حکیم محمد الیاس سلمہ پر تقاضا کر کے طبع کرائی تھی، اور اس سے پہلے جناب الحاج متین احمد صاحب سے بھی کئی سال سے تقاضا کر رہا تھا اور وہ اسکا اہتمام بھی کر رہے تھے۔ مگر حالات کی ناسازگاری سے طبع نہ ہو سکی۔ لیکن بحمد اللہ گذشتہ سال وہ بھی طبع ہو کر شائع ہو چکی۔ لیکن ہند و پاک میں کتابوں کی آمد و رفت بند ہے اور حکیم الیاس صاحب کی مطبوعہ قریب الختم ہے۔ اس لئے میں نے ان کو یہ مشورہ دیا تھا کہ اس کے ساتھ "خوان خلیل" جو حضرت حکیم الامۃ مولانا شاہ اشرف علی صاحب قدس سرہ نے حضرت سہارنپوری کے وصال پر ایک مختصر سا رسالہ تالیف فرمایا تھا وہ بھی بطور

ضمیمہ کے شائع کر دیا جائے۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جبکہ دو ہفتے مختلف احباب کو اس کے ڈھونڈنے کی تکلیف گوارا کرنی پڑی اور بڑی مشکل سے ملی۔ اس کے سننے سے یہ معلوم ہوا کہ اس میں تو حضرت حکیم الامۃ نے کوزہ میں دریا کو بند کر رکھا ہے۔ اور نہایت اختصار کے ساتھ جام میں اپنی دوسری تالیفات کا حوالہ فرما دیا اس لئے میں نے خوانِ خلیل کو سنتے وقت ان حوالہ جات کو بھی تلاش کرایا اور ان میں سے جو عام فہم اور محتاج الیہ تھے ان کو تو بطور ضمائم کے اس پر نقل کرادیا۔ اور جو بہت طویل مضمون تھے جیسا کہ ایک مضمون خواب کے سلسلہ میں مختصر طور سے تو یہاں بھی آیا اور اس کے متعلق مختصر مضمون ضمیمہ میں بھی لکھوایا لیکن اس کے متعلق مختلف علماء کے فتاویٰ الامداد بابت ماہ شوال ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ کے ترسیٹھ صفحات پر تھا وہ تو گویا مستقل ایک کتاب تھی اسی طرح بعض علمی و فقہی مسائل تھے جو عام فہم نہ تھے اس لئے ان کا مفصل حوالہ لکھوا دیا۔ اس سب کے بعد دوستوں کا اصرار ہوا اور مجھے بھی اچھا معلوم ہوا کہ خوانِ خلیل کو مستقل بھی چھاپ دیا جائے۔ اور "تذکرۃ الخلیل" کے ساتھ ضمیمہ کے طور پر بھی چھاپ دیا جائے۔ اس لئے کہ میرے شیخ کے حالات اور حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ کے قلم سے نور علی نور ہیں، اس لئے آج ۲۲ ذی قعدہ ۹۱ھ کو اس کے ضمائم پورے ہونے کے بعد توکلاً علی اللہ طباعت کے لئے دے رہا ہوں۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْب۔

(حضرت شیخ الحدیث مولانا) محمد زکریا (صاحب مدظلہٗ)
مدرسہ مظاہر علوم
سہارنپور (یو۔پی)

خوان خلیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد للہ والصلوٰۃ حضرت مولانا عارف جامی رحمہ اللہ نے مشتریان یوسف علیہ السلام کے قصہ میں نقل فرمایا ہے ؎

چو یوسف شد بخوبی گرم بازار	شدندش مصریاں یکسر خریدار
بہر چیزیکہ ہر کس دسترس داشت	دراں بازار بیع او ہوس داشت
شنیدم کز غمش زالے بر آشفت	تنیدہ ریسمانے چند و می گفت
ہمیں بس گرچہ من کاسد قماشم	کہ در سلک خریدارانش باشم

اسی مخلص بڑھیا کی تقلید ان سطور کی تحریر میں احقر نے اختیار کی ہے کہ ایک حبر ہمام و بحر قمقام یعنی ؎

الشیخ مولانا خلیل احمد ا	مکسو حلۃ خلۃ الرحمٰن
وسمی ابراہیم یوسف وقتہ	من وجھہ کالقلب فی اللمعان

المتوفی فی ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

وافاض من برکاتہ علی اہل الدیار القریبۃ والشاسعۃ

کے دریائے کمالات میں سے چند رشحات و قطرات ناظرین مشتاقین کے قلوب و ابصار پر بصورت رسالہ پاشاں کرتا ہوں جو بمقابلہ اس دریا کے امواج کے (جنکو مولانا قدس سرہ کے حذاق عارفین معرفین عنقریب سطح اذہان عشاق معتقدین صادقین پر متلاطم و متزاکم فرمائیں گے) وہی نسبت رکھتے ہیں جو اس بڑھیا کا ریسماں خزائن عزیز سے نسبت رکھتا تھا جس کے پیش کرنے میں میری بھی وہی نیت ہے جو اس بڑھیا کی تھی یعنی ؎

ہمیں بس گرچہ من کاسد قماشم	کہ در سلک خریدارانش باشم

جیسا اس کے قبل اسی نمونہ کی دو مختصر یادداشتیں "یاد یاراں" و "ذکر محمود" پیش کر چکا ہوں اور یہ ماحضر نافع ہونے کی صورت میں چونکہ مولانا ہی کا فیض ہو گا،

اس لئے ممدوح کو حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور ان فیوض کی مبدأیت کو آپ کی شان میزبانی سے تشبیہ دیکر ان فیوض کے مجموعہ کو خوان کے اور اس کے آحاد کو جامات اطعمہ عہ واشربہ کے مشابہ قرار دیکر اس مجموعۂ حالات کو "خوان خلیل" سے اور ہر جز کو جام سے ملقب کرتا ہوں، اور ان ہی مناسبات سے اس رسالہ کی لوح پر اس شعر کے لکھنے کا مشورہ دیتا ہوں ؎

گر شوی در دین مہمان خلیل ۔۔۔ جامہا نوشی ازیں خوان خلیل

اب وہ جامات پیش کرتا ہوں، واللہ یطعم و یسقی۔ وہو یشبع و یروی۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ اوائل رجب ۱۳۴۶ھ

جام نمبر ۱۔ یوں تو مولانا رح سے اس احقر کو مدت دراز سے نیاز حاصل تھا۔ لیکن زیادہ خصوصیت اس زمانہ سے ہوئی جب سے میں کانپور کا تعلق چھوڑ کر وطن میں مقیم ہوا۔ اور سہارنپور کی آمد و رفت میں کثرت ہوئی۔ جس میں مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر تو گویا بالالتزام حاضری ہوتی تھی اور متفرق طور پر بھی بکثرت آنا جانا رہتا تھا۔ اور ہر حاضری میں طویل طویل اوقات مولانا کی صحبت میں مستفید رہتا تھا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ باوجود یکہ میں ہر طرح چھوٹا تھا عمر عہ میں بھی، طبقہ میں بھی اور علم و عمل میں تو مجھکو کوئی نسبت ہی نہ تھی اس میں تو چھوٹے بڑے ہونیکی نسبت کا ذکر بھی ایک درجہ میں ادعا ہے علم و عمل کا مگر مولانا کا برتاؤ مساویانہ تو یقینی ہی تھا بعض اوقات ایسا برتاؤ فرماتے تھے کہ جیسے چھوٹے کرتے ہیں بڑوں کے ساتھ، اس سے زیادہ کیا درجہ ہوگا تواضع کا یہ بنا تو یقینی تھی اور احتمالی یہ بھی ہے کہ شاید اس واقعہ کو بھی دخل ہو کہ مولانا بواسطہ عہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے منتسب تھے اور یہ احقر بلا واسطہ اگر یہ بھی تھا تو اس حفظ مراتب کا

عہ فی القاموس جلم انا من خمستہ وجامات ج ۱ حد بوہم بالملما کولی بالمشرب ۱۲ منہ عہ ۵ حضرت سہارنپوری کی ولادت صفر ۱۲۶۹ھ اور حضرت حکیم الامت کی ولادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ چہارشنبہ بوقت صبح صادق ہے۔ دعا منبغی ان یحفظ حضرت سہارنپوری کی وفات ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ بالمدینہ منورہ اور حضرت تھانوی کی وفات ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ شب سہ شنبہ ۱۰ بجے ہوئی ۱۲ از عہ حضرت سہارنپوری کی اجازت بیعت از حضرت شیخ المشائخ حاجی صاحب محرم ۱۲۹۷ھ اور حضرت تھانوی قدس سرہ کی اجازت شیخ المشائخ مہاجر مکی سے شروع ۱۲۹۹ھ میں ہے جیسا کہ بتفصیل ضمیمہ ۳ دعہ ۵ ہے ۱۲ از

جو کہ حکمت عملیہ کا اعلیٰ شعبہ ہے کامل ثبوت ہوتا ہے۔ ف تواضع وحفظ حدود کا کمالات مقصودہ میں سے ہونا ظاہر ہے۔

جام نمبر ۲:۔ مولانا نے اپنے ایک معتقد خاص سے فرمایا تھا کہ مجھکو اشرف سے اس وقت سے محبت ہے جس وقت اسکو خبر بھی نہ تھی ف اس واقعہ میں ایک خاص سنت کا اتباع ہے۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کسی کو کسی سے محبت ہے تو اسکو خبر کردے اھ اور حکمت اسکی ظاہر ہے کہ اسمیں تطییب ہے قلب مسلم کی نیز جلب ہے اس کی محبت کا اور باہمی تحابب وتوادد کے ثمرات ظاہر ہیں

جام نمبر ۳:۔ باوجود میرے کم مرتبہ ہونے کے گاہ گاہ مجھکو ہدایا سے بھی مشرف فرمایا ہے۔ ف۔ اس میں علاوہ سنت تہادی کے کہ سبب ہے تحابب مطلوب کا تواضع بدرجۂ غایت بھی ہے۔ کیونکہ تہادی بشان خاص تواضع ہی سے ناشی ہے۔

جام نمبر ۴:۔ احقر مولانا کے سامنے وعظ کہتا ہوا بیحد شرماتا تھا گو امتثال امر کے سبب عذر نہ کرسکتا تھا۔ لیکن مولانا نہایت شوق ورغبت سے استماع فرماتے تھے ف۔ اس میں علاوہ تواضع کے اہتمام علم کے فضائل کی بھی تحصیل ہے جسپر سلف صالح عامل تھے

جام نمبر ۵:۔ ایک بار احقر کے مواعظ کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ اسکے بیان میں کہیں انگلی رکھنے تک کی گنجائش نہیں۔ ف۔ اس میں حسن ظن وسنت مدح لتالیف القلب وتحضیض علی الخیر کا ثبوت ظاہر ہے۔

جام نمبر ۶:۔ گاہ گاہ غریب خانہ کو بھی اپنے اقدام سے مشرف فرماتے تھے۔ مجھکو یاد ہے کہ غالباً جب اول بار تشریف آوری ہوئی تو احقر نے جوش محبت میں کھانے میں کسی قدر تکلف بھی کیا۔ اور اہل قصبہ میں سے بھی بعض عمائد کو مدعو کردیا کہ عرفاً یہ بھی معزز ضیف کا اکرام ہے (ان بعض عمائد نے میری اس خدمت کا یہ حق ادا کیا کہ بعد جلسہ دعوت کے مجھکو بدنام کیا کہ طالبعلم ہو کر اتنا تکلف کیا پانچ چھ کھانیوالوں کے سامنے بہتر ۷۲ یا باسٹھ ۶۲ برتن تھے میں عدد بھول گیا کہ کونسا فرمایا تھا۔ اس روایت کے قبل مجھکو تکلف کے مقدار کی طرف التفات بھی نہ ہوا تھا) مولانا نے مزاحاً فرمایا کہ

یہ تکلف کیوں کیا گیا. میں نے عرض کیا کہ اس کا سبب خود حضرت ہی ہیں، اگر بکثرت کرم فرماتے تو ہرگز تکلف نہ کرتا یہ تقلیل سبب ہے اس تکثیر کا اس کے بعد آمد کی تکثیر ہوگئی اور تکلف کی تقلیل **ف** اس سے بے تکلفی و سادگی و رعایت میزبان ظاہر ہے اور ان سب کا اخلاق فاضلہ سے ہونا ظاہر ہے۔

جام نمبر ۷، باوجودیکہ اس احقر کے ساتھ مساویانہ بلکہ اس سے بھی زیادہ تر برتاؤ فرماتے تھے جیسا کہ جام نمبر ۱ میں مذکور ہوا لیکن اظہار حق کا اس قدر غلبہ تھا کہ اگر میں نے استفادۃً کوئی بات پوچھی تو اس کے جواب میں کبھی تکلف نہیں فرمایا اور کبھی از خود بھی متنبہ فرمایا، چنانچہ اس وقت تین مسئلے اس قسم کے میرے ذہن میں حاضر ہیں

مسئلہ نمبر ۱، میرا ایک دوست سے اس مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ پشت کی طرف سے فوٹو لینے میں جس میں چہرہ نہ آوے گنجائش ہے یا نہیں جانبین سے مکاتبت کا سلسلہ چلتا رہا. آخر میں احقر نے اس دوست کو مولانا رح کے فیصلہ پر راضی کرکے تحقیق مسئلہ کی درخواست کی. مولانا نے خوشی سے قبول فرماکر مسئلہ کا فیصلہ کر دیا. چنانچہ ہم دونوں نے قبول کرلیا. یہ محاکمہ تتمہ جلد رابع فتاوی امدادیہ کے آخر میں شائع ہوچکا ہے، اس محاکمہ کی تمہید میں مولانا رح کی عبارت قابل دید ہے وہی ہذہ "بندہ ناچیز باعتبار اپنے علم وفہم کے اس قابل نہیں کہ علماء اعلام کے اختلاف کا فیصلہ کرسکے مگر ہاں امتثالاً للامر الشریف اس مسئلہ میں جو کچھ خیال میں آیا عرض کرتا ہے الخ

ف تواضع اور اظہار حق میں اسطرح جمع کرنا جس درجہ کا کمال ہے ظاہر ہے۔

مسئلہ نمبر ۲، مشتمل بر سوالات متعددہ. جزو اول، بعض روایات میں ابن عباس رض سے وارد ہے اخطأ الکاتب فی تستأنسوا وانما ھو تستاذنوا میں نے مولانا رح سے بذریعہ خط پوچھا جس کا جواب نہایت غریب و عجیب ارشاد فرمایا جو بیان القرآن کے حواشی عربیہ متعلقہ آیۃ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ الاٰیۃ میں شائع ہوا ہے. احقر نے اس خط کو مختصر اور معرب کر دیا ہے. جس کا حاصل بر تقدیر ثبوت ایسی قرارت کا قرات موجودہ سے منسوخ ہونا اور راوی کو نسخ کی خبر نہ پہونچنا ہے اھ

جزو ثانی متعلق نبوت جزو ثالث متعلق رقوم مدرسہ جزو رابع متعلق عدت یہ سب اجزاء بعینہا فتاوی امدادیہ جلد چہارم کے آخر میں بعنوان بعضے از تحریرات الخ شائع ہوئے ہیں

مسئلہ نمبر ۳:۔ پیر محمد والی مسجد کی سمت جنوب میں جو سہ دری مسجد سے ملی ہوئی ہے اس پر سائبان ڈالا گیا تو مولانا نے اس کے متعلق از خود کچھ تحریر فرمایا جس کا یہاں سے جواب عرض کیا گیا۔ چند بار اس میں مکاتبت ہوئی جس میں کوئی اخیر فیصلہ نہیں ہوا۔ اس مکاتبت کا نام مسائلۃ اہل الخلۃ فی مسئلۃ الظلۃ ہے جو ترجیح الراجح کے حصہ دوم کے اخیر کے قریب میں شائع ہوا ہے۔ اس میں مکتوب سوم کے شروع میں ایک عجیب دلربا جملہ ہے وہی ہذہ گرامی نامہ موجب برکت ہوا کئی روز تک تو یہ خیال رہا کہ مسئلہ کے متعلق کچھ عرض کروں یا نہ کروں، مبادا تکرار موجب بار ہو بالآخر یہ خیال ہوا کہ اپنا خیال ایک دفعہ اور عرض کر دوں الخ ملاحظہ فرمایا جاوے اس جملہ میں رعایت حق و رعایت خاطر دونوں کو کسطرح جمع فرمایا گیا ہے، اس کا اثر احقر پر یہ ہوا کہ اس پر جو عرض کیا گیا باوجودیکہ اس کا جواب نہیں آیا مگر مجھکو ایک تنبیہ میں اس لکھنے کی ضرورت ہوئی کہ اس جواب نہ آنے کو حجت نہ سمجھا جاوے الی قولی اس باب میں اہل علم سے مزید تحقیق کر لی جاوے۔

جام نمبر ۸:۔ ایک بار بعض عنایت فرماؤں نے بعض حکایات کی نسبت میری طرف خلاف واقع کردی جس کا چرچا اپنے مجمع میں پھیل گیا۔ میں اس وقت میرٹھ میں تھا اور اس چرچے سے بالکل غافل مجھکو خیر خواہ دلسوز نے یہ خبر پہونچائی مجھکو بہت رنج ہوا، اور سب سے زیادہ خیال مجھکو مولانا کے تکدر کا تھا۔ اس لئے میں نے اس واقعہ کی حقیقت مولانا کی خدمت میں لکھ بھیجی، وہاں سے حسب ذیل جواب آیا معلوم نہیں لوگوں کو کیا مزا آتا ہے کہ غلط روایتیں پہونچا کر اہل خیر کے قلوب کو دکھاتے ہیں۔

مجھ ناچیز کو جو تعلق اور محبت پہلے تھا وہی عقیدت بحمد اللہ موجود ہے

آں نیست کہ حافظ را عہرت رود از خاطر ؎ آں وعدۂ پیشینش تا روز پسیں باشد

جو قلبی محبت اور جس کو ذخیرۂ آخرت سمجھ رکھا ہو وہ انشاء اللہ تعالیٰ بدل نہیں سکتی

جو روایتیں پہونچی ہیں ان میں مبالغہ سے بہت کام لیا گیا ہے انتہی ملخصاً بقدر الضرورۃ" ختم جام نمبر ۸

یہ واقعہ حکایات الشکایات[۱۲] حکایت نمبر ۴ کے آخر میں مذکور ہے۔ بعد اختتام قصہ کے مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ اس دلسوز خیر خواہ کے ذریعہ سے بدون اپنی طرف نسبت کرنے کے میں نے ہی یہ خبر پہونچائی تھی "تاکہ" تاخیر تدارک سے بات بڑھ نہ جائے۔

ف اس سے مولانا کی کتنی بڑی خیر خواہی ثابت ہوتی ہے کہ میری بے خبری کو صعوبت تدارک کی مصلحت سے گوارا نہیں فرمایا اور اپنی طرف منسوب نہ فرمانا ممکن ہے کہ اسلئے ہو کہ زیادہ رنج نہ ہو کیونکہ راوی جس قدر زیادہ ثقہ ہوتا ہے اسی قدر روایت کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بضمائر عبادہ

جام نمبر ۹۔ ایک شخص نے اپنی ایک حالت کی جس کا کچھ حصہ نوم تھا اور کچھ یقظہ مشابہ بنوم تھا اور اس حالت میں غیر اختیاری طور پر ایک غیر مشروع کلمہ کا زبان سے نکلنے کی اطلاع دیکر تحقیق چاہی تھی میں نے قواعد شریعت و طریقت سے اس کا جواب لکھدیا جس کا حاصل سائل کا معذور ہونا تھا۔ چونکہ طریقت اس وقت کالمہجور ہو گئی ہے اس لئے اس جواب کی حقیقت نہ سمجھنے سے اکثر عوام اور بعض اہل علم میں بھی اس کے متعلق ایک شورش[عـه] برپا ہو گئی۔ کہ اسکو معذور کیوں قرار دیا جس کی تحقیق احقر نے حکایات[۱۲] الشکایات کی حکایت سوم میں لکھی ہے۔ مولانا نے شفقت سے زبانی مشورہ دیا کہ اس سائل کے قابل توبیخ ہونے کے متعلق کوئی تحریر شائع ہو جائے تو شورش کم ہو جائے اور عوام کا دین بھی محفوظ رہے۔ احقر نے اس باب میں اپنا شرح صدر نہ ہونا عذر میں پیش کیا اور عرض کیا کہ آپ اور دوسرے علماء کچھ تحریر فرما دیں تو میں شائع کر دوں اسکو منظور فرمایا۔ چنانچہ میں نے سوال مرتب کر کے مختلف علماء سے رجوع کیا جسمیں مولانا بھی تھے۔ سب نے اپنی اپنی رائے کے موافق جواب لکھا جو الامداد[۱۳] شوال ۱۳۳۶ھ میں شائع ہوئے ہیں۔ ف اس میں بھی وہی خیر خواہی اور اسکی ساتھ دین کی حفاظت کا اہتمام ظاہر ہے۔

جام نمبر ۱۰۔ اس قصہ مذکورہ کا اثر عوام میں کسی قدر باقی تھا کہ اس اثناء میں مدرسہ

عـه اس زمانہ میں اخبارات و اشتہارات میں اس پر بڑا ہنگامہ اور غوغا قائم تھا ۱۲ ز

مظاہر علوم سہارنپور کے جلسہ سالانہ کا موقع آگیا حسب دستور میں بھی حاضر ہوا چونکہ اس جلسہ میں احقر کا معمول وعظ بیان کرنیکا تھا مولاناؒ نے بمصلحت برارت عن التہمۃ مجھ سے فرمایا کہ اسوقت بڑا مجمع موجود ہے۔ اگر اس واقعہ خواب کے متعلق کچھ بیان کر دیا جائے تو اچھا ہے تاکہ عوام کے شکوک رفع ہو جاویں، احقر نے عرض کیا کہ مجھ کو تو اس کے متعلق کچھ بیان کرنے سے شرم وعار آتی ہے کیونکہ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ میں اپنا تبریہ کر دوں اور انسان اپنا تبریہ ایسی بات سے کیا کرتا ہے جس کا کسی درجہ میں احتمال ہو پس تبریہ کرنا اس کے احتمال کو تسلیم کر لینا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اچھا اگر تم اپنی زبان سے تبریہ نہیں کرتے تو ہم میں سے کوئی شخص اس کے متعلق بیان کر دے۔ احقر نے عرض کیا کہ اگر ایسا ہوا تو میں جلسہ سے اٹھ جاؤں گا۔ مولانا نے فرمایا نہیں نہیں تم کو گوارا نہیں تو پھر کوئی ضرورت نہیں، یہ سب مکالمہ وعظ مظاہر الاقوال کی تمہید میں مذکور ہے۔ اس مشورہ میں بھی علاوہ خیرخواہی کے اتباع سنت یعنی تہمت کا رفع کرنا ہے۔ جیسا حضرت صفیہؓ کے واقعہ اعتکاف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مگر یہ مشورہ چونکہ محل اجتہاد تھا جس کی وجہ احقر کے جواب میں مذکور ہو چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ سنت اس امر میں ہے جو محل اشتباہ ہو جب یہ نہیں تو احتمالات غیر ناشی کا کہاں تک انسداد کیا جاوے یوں تو جواب دینے کے بعد بھی اس میں پھر شبہات پیدا کئے جا سکتے ہیں تو پھر اسکے لئے تو ایک محکمہ کی ضرورت ہوگی یہ توجیہ ہے میرے جواب کی۔ مگر میرے اس عذر کے قبول فرما لینے کے بعد جب بیان ہوا تو اتفاق سے حفظ لسان و مذمت بہتان کا چنانچہ اس وعظ کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگا جس سے بلا اختیار مولانا اور بدون قصد احقر کے ایک کرامت مولانا کی ظاہر ہوئی کہ جس چیز کو مولانا کا جی چاہتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو واقع فرما دیا۔ اسی کو عارف رومی فرماتے ہیں ؎ تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں

می دہد یزداں مراد متقیں

جام نمبر ۱۱:- ایک تقریب غسل صحت ختنہ میں اتفاق سے یہاں سے احقر اور سہارنپور

سے مولانا رح اور دیوبند سے حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ ایک قصبہ میں مجتمع ہوگئے مگر بعض عوارض کے سبب میں تو بلا شرکت واپس آگیا اور دیگر حضرات نے ان عوارض کے طرف التفات نہیں فرمایا۔ اور شرکت فرمائی، اس کے بعد مولانا رح سے کسی نے اسکی وجہ پوچھی کیسا تواضع کا جواب ارشاد فرمایا کہ ہم نے فتوے پر عمل کیا اور فلاں شخص (یعنی احقر) نے تقوے پر عمل کیا۔ ف اس جواب سے جس قدر تواضع اور اختلافی امر میں شق مقابل کے اختیار کرنے والے کے عمل کی حسن توجیہ مرعی ہے ظاہر ہے اور حضرت مولانا دیوبندی نے جو جواب عطا فرمایا وہ رسالہ ذکر محمود قلمی نمبر ۲۴ میں مع تفصیل قصہ مذکور ہے۔

جام نمبر ۱۲: مولانا رح میں حضرات سلف کی سی تواضع تھی کہ مسائل واشکالات علمیہ میں اپنے چھوٹوں سے بھی مشورہ فرماتے تھے۔ اور چھوٹوں کے معروضات کو شرح صدر کے بعد قبول فرمالیتے تھے۔ چنانچہ بعض واقعات نمونہ کے طور پر معروض ہیں واقعہ نمبر ۱۔ ایک بار سفر بھاولپور میں اس احقر سے ارشاد فرمایا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبول ہدایا کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پہلے سے اشراف نفس نہ ہو مگر سفر میں اکثر داعی کی عادت ہوتی ہے کہ مدعو کو کچھ ہدیہ دیتے ہیں اس عادت کے سبب اکثر خطور بھی ایسے ہدایا کا ذہن میں ہوجاتا ہے۔ سو کیا خطور بھی اشراف نفس وانتظار میں داخل ہے۔ جس کے بعد ہدیہ لینا خلاف سنت ہے۔ اس حقیر میں کیا قابلیت تھی کہ ایسے عظیم الشان عالم اور عارف کے استفسار کا جواب دیسکوں لیکن چونکہ لہجہ استفسار امر بالجواب پر دال تھا اس لئے الامر فوق الادب کے بناء پر جواب عرض کرنا ضروری تھا چنانچہ میں نے عرض کیا کہ میرے خیال میں اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اس احتمال کے بعد دیکھا جاوے کہ اگر وہ احتمال واقع نہ ہو تو آیا نفس میں کچھ ناگواری پیدا ہوتی ہے یا نہیں، اگر ناگواری ہو تو اس احتمال کا خطور اشراف نفس ہے، اور اگر ناگواری نہ ہو تو اشراف نفس نہیں ہے خالی خطرہ ہے جو احکام میں مؤثر نہیں۔ اس جواب کو بہت پسند فرمایا اور دعا دی۔ ف اس واقعہ میں مولانا رح کے

چند کمالات ثابت ہوتے ہیں، ایک تواضع جس کے سلسلہ میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے دقیق تقوی کہ اشراف کے احتمال بعید تک نظر پہونچی اور اسپر عمل کا اہتمام ہوا، تیسرے اتباع سنت جیسا کہ ظاہر ہے، چوتھے اپنے معاملہ میں اپنے نفس کو متہم سمجھا کہ اپنی رائے پر وثوق نہیں فرمایا ورنہ جس کی نظر اتنی دقیق ہو کیا اس فیصلہ تک وہ نظر نہیں پہونچ سکتی تھی۔

واقعہ نمبر ۲، ایک بار خود افادۃً فرمایا اور زیادہ یاد یہ پڑتا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی سے نقل فرمایا تھا کہ قرآن مجید میں جو اوقاف لازمہ ہیں وہ ایسے ہی مواقع پر ہیں جہاں وصل کرنے سے ایہام خلاف مقصود کا ہوتا ہے چنانچہ ظاہر ہے مگر اس آیت میں کفار کا قول منقول ہے وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا سُبْحَانَہٗ اور وَلَدًا پر وقف نہیں حالانکہ قاعدہ مذکورہ کا مقتضا یہاں پر لزوم وقف تھا کیونکہ وقف نہ ہونے سے ایہام ہوتا ہے کہ سبحانہ بھی ان ہی قائلین کا قول ہے حالانکہ یہ انکے قول اتخذ اللّٰہُ وَلَدًا کا رد اور ابطال ہے۔ سو اس میں نکتہ یہ ہے کہ تنزیہ میں جہانتک ہو تعجیل کی جائے تا کہ سامع کو نافین تنزیہ کے قول کے بعد ذرا بھی انتظار نہ ہو کہ اس قول کے متعلق کیا فیصلہ فرمایا گیا ہے انتہی بمعناہ۔ باوجودیکہ خود یہ نکتہ ارشاد فرمایا مگر ایسے ہی ایک مقام کے متعلق (جس کی تعیین مجھکو یاد نہیں رہی) احقر سے فرمایا کہ یہاں دفع ایہام کے لئے وقف ہونا لازم تھا مگر ائمہ وقف نے یہاں وقف کا حکم نہیں فرمایا مجھکو وہ نکتہ یاد آگیا۔ میں نے عرض کیا کہ ایک بار آپنے یہ نکتہ فرمایا تھا یہاں بھی وہی نکتہ تعجیل ابطال باطل ہو سکتا ہے۔ ف ا علاوہ تواضع کے اس احتیاط بلیغ کو ملاحظہ فرمایا جاوے کہ باوجودیکہ اس نکتہ پر نظر تھی مگر خصوصیت مقام کے سبب دوسرے سے مشورہ فرمایا کہ شاید یہاں کوئی دوسرا داعی ہو۔ علماء رسوم ایسی احتیاطیں کہاں کرتے ہیں۔ یہ اہل حقائق ہی کا حصہ ہے ف ۲ اس نکتہ مذکورہ کے علاوہ احقر کے ذہن میں ایسے مقامات کے متعلق ایک اور حقیقت آئی ہے۔ بنظر علماء کی نظر ثانی کے عرض کرتا ہوں کہ ایہام کے مواقع تتبع سے دو قسم کے معلوم ہوئے ہیں ایک وہ کہ اہل حق کی طرف انتساب باطل

کا ایہام ہو، دوسرے وہ اہل باطل کی طرف انتساب حق کا ایہام ہو، سو اول قسم کے مواقع ہیں تو وقف لازم کلی ہے اور دوسرے قسم کے مواقع ہیں وقف لازم اکثری ہے علماء وقف نے ایسے مواقع پر اسکا زیادہ اہتمام والتزام نہیں کیا جس کا مبنی یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اہل حق سے تو صدور باطل کا منکر شرعی ہے تو اس ایہام کا دفع زیادہ مہتم بالشان ہے، اور اہل باطل سے صدور حق کا منکر شرعی نہیں لان الکذوب قد یصدق بلکہ یہ صدور خود قرآن میں منقول ہے، جہاں منافقین کا ذکر ہے چنانچہ دوسرے قسم کے بعض مواقع کا ذکر کرتا ہوں جس سے میرا دعوی اکثریت کا ثابت ہوتا ہے۔

سورۂ منافقون کی اول آیت میں منافقین کا قول نشھد انک لرسول اللہ منقول ہے اور یہاں علماء نے وقف لازم کیا ہے تاکہ اس کے بعد کا قول واللہ یعلم الخ کی نسبت انکی طرف متوہم نہ ہو تو یہاں تو ایہام کا اعتبار کیا گیا اور اسی سورۃ میں رکوع اول کے ختم کے قریب منافقین کا قول لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا منقول ہے اور اس کے متصل ہی اس کا رد وللہ خزائن السموات الخ منقول ہے جو حق تعالی کا قول ہے مگر ینفضوا پر وقف لازم نہیں تو یہاں اس ایہام کا اعتبار نہیں کیا گیا، اسی طرح اسی کے بعد ان کا دوسرا قول منقول ہے لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا الاذل اور اس کے متصل ہی اس کا رد وللہ العزۃ الخ منقول ہے جو حقتعالی کا قول ہے مگر الاذل پر وقف لازم نہیں تو یہاں بھی اس ایہام کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ پس ثابت ہوا کہ ایہام ثانی کا اعتبار اکثری ہے کلی نہیں سو اسی بناء پر الاذل پر وقف لازم نہ ہونے کو بھی مبنی کر سکتے ہیں، واللہ اعلم

واقعہ نمبر ۳: ایک شخص نے مولانا رحمہ کے روبرو ایک حکایت بیان کی کہ ایک شخص مر گیا تھا تھوڑی دیر میں وہ تو زندہ ہو گیا اور اسی نام کا ایک دوسرا شخص اسی وقت مر گیا اور پہلے مرنے والے نے بیان کیا کہ مجھکو ایک مقام پر لیگئے وہاں پیشی کے وقت کہا گیا کہ اس شخص کو نہیں بلایا گیا بلکہ دوسرے شخص کو بلایا گیا ہے۔ چنانچہ مجھ کو دنیا میں لوٹا دیا اور دوسرے کو دنیا سے بلایا گیا۔ یہ حکایت بیان کر کے پوچھا کہ کیا ایسا ممکن ہے؟

بعض اوقات کسی دوسری طرف توجہ ہونے سے بعض پہلوؤں پر نظر نہیں جاتی کچھ نرم سا جواب فرما دیا۔ میں نے ادب سے عرض کیا کہ یہ تو ممکن نہیں معلوم ہوتا اگر ملک الموت کو ایسی غلطی ہو سکتی ہے تو ملک لوحی سے بھی ہو سکے گی پس کسی غالی کے اس قول کی صحت کی گنجائش نکل آوے گی "جبریل غلط کردہ مقصود علی بود" اور اس حکایت کی توجیہ صحیح اور سہل یہ ہے کہ وہ مریض مبرسم یا مسکوت تھا اور اس میں اس کا متخیلہ فاسد ہو گیا تھا مولانا رح یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ اور نہایت انبساط کی ساتھ اسکی تصویب فرمائی

ف ۱ مولانا کا کمال حق پرستی جس قدر اس سے واضح ہے محتاج بیان نہیں

ف ۲ اس کے قبل ایسا ہی واقعہ احقر کو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ کے حضور میں پیش آیا۔ مولانا کے جواب کے بعد یہی تقریر میں نے وہاں بھی کی تھی۔ مولانا قدس سرہ نے بھی اس کی تصویب فرمائی اور اس کے قبل بھی ایسی ہی حکایت میں نے حضرت مولانا الشیخ محمد رح سے وعظ میں سنی تھی میں اسوقت بچہ تھا کیا عرض کرتا اور نہ مولانا کی تحقیق اس مجلس کی مجھ کو یاد رہی۔

جام نمبر ۱۳ تتمہ جام نمبر ۱۲، ایک بار مجھ سے ارشاد فرمایا کہ حدیث میں ہے لَنْ یُغْلَبَ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا عَنْ قِلَّۃٍ اور اس میں کوئی قید مذکور نہیں تو کیا یہ مطلق ہے اور ہر صورت کو شامل ہے گو مقابلہ میں لاکھوں کافر ہوں یا یہ کہ کسی اور دلیل سے مقید ہے۔ اطلاق پر یہ اشکال ہے کہ بہت جگہ اس عدد سے زیادہ ہونے کی صورت میں بھی مسلمان مغلوب ہو گئے ہیں، میں نے عرض کیا کہ ظاہر حدیث کا تو اطلاق ہی ہے اور بدون دلیل قوی کے تقیید کی کوئی وجہ نہیں اور مسلمانوں کا کہیں مغلوب ہونا کوئی دلیل نہیں کیونکہ جہاں مسلمان مغلوب ہوئے ہیں سبب اسکا کوئی علت ہے نہ کہ قلت اور وہ علت خواہ کوئی امر ظاہر ہو جیسے نا اتفاقی، خواہ کوئی امر باطن ہو جیسے عجب و نظر الی الاسباب چنانچہ جیسا غزوہ حنین میں مسلمان بارہ ہزار اور کفار چار ہزار (کما فی الجلالین) مگر اول میں مسلمان مغلوب ہو گئے جس کا سبب عجب بالکثرت تھا (کما فی القرآن المجید اذ اعجبتکم کثرتکم) پھر آخر آخر میں وہی مغلوب غالب ہو گئے (کما قال تعالیٰ ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ

وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا) اور یہ انزال سکینہ مشروط ہے زوال سبب مغلوبیت کے ساتھ کہ وہ عجب ہے اور یہ زوال تو بہ ہے اھ قولی بمعناہ مولانا مسرور ہوئے اور اسکو پسند فرمایا۔ ف اس سے مولانا کی تواضع اور عدم استنکاف فی طلب الحق وسعی زیادت فی العلم ظاہر ہے جسمیں امتثال ہے امر حق رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا کا۔

جام نمبر ۱۴:۔ ایک سفر میں مولانا کی معیت میں ایک ہموطن دوست کی طلب پر جو جھوڑ جانا ہوا اور لوگوں کی درخواست پر احقر کے متعدد بیانات ہوئے۔ جن سے بفضلہ تعالیٰ بہت نفع ہوا اور اہل بدعت کے خیالات میں بھی ایک درجہ میں نرمی وحسن ظن پیدا ہو گیا۔ ہر بیان کے ختم پر آئندہ بیان کے لئے لوگوں کی درخواست پر وقت اور موقع کا اعلان کر دیا جاتا تھا۔ ایک شب میں ختم وعظ پر ان دوست صاحب نے ایسے موقع کے لئے اعلان کر دیا جہاں وعظ کی درخواست نہ تھی اور وہ محلہ تمام تر اہل فساد اور اہل عناد کا تھا۔ اپنے نزدیک انھوں نے یہ مصلحت سمجھی کہ صبح کو جمعہ تھا اور اس محلہ کی مسجد میں جمعہ بھی ہوتا تھا تو ان کو خیال یہ ہوا کہ اس طرح سے اہل محلہ کے کان میں حق پہونچ جائیگا مگر اس میں خرابی یہ ہو گئی کہ اول تو اس محلہ کے اکثر لوگ سخت مبتدع ومتعصب تھے پھر خصوصیت کے ساتھ ان کو ان دوست صاحب سے پہلے سے کچھ رنج بھی تھا جس کا سبب جسطرح اہل محلہ کی کج فہمی تھی کسی قدر ان دوست صاحب کی تیز زبانی بھی تھی، ان لوگوں کو یہ اعلان نہایت ناگوار ہوا۔ اور وہ یوں سمجھے کہ انھوں نے ہم کو زک دینے کے لئے یہ کارروائی کی ہے اور تہیہ کر لیا کہ وعظ نہ ہونے دیں گے۔ ان دوست صاحب کو بھی قرائن سے اسکا خطرہ ضرور تھا انھوں نے یہ انتظام کیا کہ مجسٹریٹ صاحب کو جو کہ گلاؤٹھی کے رہنے والے اور خوش عقیدہ شخص تھے ایک درخواست دیدی کہ عین موقع پر پولیس کا انتظام کر دیا جائے تاکہ کوئی فتنہ وفساد نہ ہو، چنانچہ درخواست منظور ہو کر ایک سب انسپکٹر مع چند جوانوں کے حاضر رہنے کے لئے مامور ہو گئے ہم لوگوں کو اسکی اطلاع عین اسوقت ہوئی

جب کہ جمعہ میں جانے کی تیاری کر رہے تھے، میں نے اپنی طبیعت اور مذاق کے موافق یہ یہ رائے قائم کی کہ ایسی تشویش کی جگہ جانا نہ چاہیئے۔ اور تہیہ وعظ کا دل سے نکالدیا اور اس رائے کو مجمع میں ظاہر کر دیا۔ ان دوست صاحب نے تو یہ جواب دیا کہ سب لغو روایتیں ہیں اور یہ راوی جنھوں نے یہ حکایت کی تھی بزدل اور کم ہمت ہیں یہ ہر جگہ یونہی ڈر جاتے ہیں ضرور چلنا چاہیئے اور مولانا نے فرمایا کہ اگر ایسا ہو بھی تب بھی تبلیغ حق میں ایسے امور کی پرواہ نہ کرنا چاہیئے۔ ان دوست کی رائے کی تو مجھ کو کچھ وقعت نہیں ہوئی کیونکہ اس کا منشا میرے خیال میں دنیا تھی مگر مولانا کے ارشاد پر میں خاموش ہو گیا گو میری رائے اب بھی وہی تھی کہ جانا مناسب نہیں مگر دو وجہ سے موافقت کر لی ایک اس وجہ سے کہ منشا اس رائے کا دین ہے گو وہ امر اجتہادی ہے جس میں موافقت واجب نہیں مگر ناجائز بھی نہیں، دوسرے اس وجہ سے کہ جب مولانا جانے کو تیار ہیں تو میں کیا چیز ہوں کہ اپنی جان بچاؤں، غرض سارا مجمع وہاں پہونچا مگر رنگ بدلا ہوا پایا نہ کسی نے سلام کیا نہ کلام کیا اور امامت کے لئے تو کیا پوچھتے۔ نماز سے فراغت ہوئی ان دوست صاحب نے اعلان کیا کہ وعظ ہوگا، فوراً محلہ کے ایک شخص نے نہایت تند آواز سے کہا کہ وعظ نہ ہوگا پھر کیا تھا دونوں طرف سے آویزش ہو گئی۔ اور اسقدر شور وغل ہوا کہ خدا کی پناہ جمعہ کی سنتیں بھی بھول گئے اور اس فرض میں مشغول ہو گئے میں اور مولانا ایک کنارہ پر سنتیں پڑھنے لگے مگر مولانا تو مطمئن اور میں متفکر کہ دیکھئے اسکا کیا انجام ہوتا ہے۔ اور پولیس کا کہیں نام ونشان نہیں، یہاں تک اختلاف کی نوبت پہونچی کہ ایک شخص جا کر منبر پر بیٹھ گیا یہ سمجھا کہ جب منبر پر میرا قبضہ ہو جاویگا پھر وعظ کیسے ہوگا اس سے جہل کا اندازہ کر لیا جاوے۔ ایک خانصاحب ہمارے محبین میں اس مزاج کے تھے وہ خنجر لیکر اس منبر نشین پر حملہ آور ہوئے ایک خانصاحب ٹونک کے جو سنجیدہ مزاج تھے اسوقت موجود تھے انھوں نے حملہ آور صاحب کا پیچھے سے ہاتھ پکڑ لیا کہ یہ کیا کرتے ہو ابھی سب پھنس جاویں گے وہ خفا ہو کر اس مجمع سے چلے گئے اور یہاں شور وغل کی وہی حالت جب میں سنتیں پڑھ چکا اور معلوم کر لیا

کہ یہ سارا غیظ اس احتمال پر ہے کہ کہیں وعظ نہ ہونے لگے تو میں نے اس فتنہ کے سر غنہ کو اپنے پاس بلایا غنیمت ہے کہ وہ آ بیٹھے اور نہایت غصے سے کہا کہئے۔ میں نے کہا کہ کیا تم کو یہ شبہ ہے کہ وعظ ہو گا سو سن لو وہ واعظ میں ہوں اور میرا وعظ ایسا ارزاں نہیں ہے کہ کسی کے سر ہو کر کہوں میں تو بہت خوشامد کرا کر وعظ کہتا ہوں اور اس حالت میں تو میں کسی طرح کہہ ہی نہیں سکتا تم اطمینان رکھو میں ہرگز وعظ نہ کہوں گا۔ بلکہ اب تو اگر تمام اہل محلہ بھی درخواست کریں تب بھی نہ کہوں تم لڑو مت اور یہ اعلان میرے مشورہ سے نہیں ہوا بلکہ خلاف مزاج ہوا، یہ سنتے ہی وہ شخص ٹھنڈا ہو گیا اور اس کے ٹھنڈے ہونے سے سب خاموش ہو گئے۔ میں نے بواسطہ دوسرے شخص کے اس کے بعد یہ قول سنا ہے کہ وہ کہتا تھا کہ ان لوگوں کی کیا بات ہے انکی تو جوتیاں ہم اپنے سر پر رکھ لیں یہ سارا فساد فلاں شخص کا ہے جس نے اپنی رائے سے اعلان کر دیا اور یہ بھی مسموع ہوا کہ وہ لوگ کہتے تھے کہ ہم کو وعظ ہونا ناگوار نہ تھا بلکہ یہ متغلبانہ تصرف ناگوار ہوا۔ ہم کو خاص طور پر اطلاع کی جاتی ہم خود حاضر ہو کر وعظ کی درخواست کرتے پھر آنے والوں کیلئے خاص طور پر فرش کا، برف کا، شربت کا انتظام کرتے اس طرح سے ہماری سخت اہانت تھی جو ہم کو گوارا نہیں ہوا، جب فضا میں سکون ہوا ہم لوگ مسجد سے واپس آرہے تھے کہ سب انسپکٹر صاحب مع گارد کے راستہ میں ملے کہنے لگے کہ چلئے وعظ کہئے میں نے کہا سبحان اللہ کیا موقع پر پہونچے ہیں یہاں تو خون ہو جاتا آپ کا آنا کس مصرف کا ہوا۔ اور اب وعظ نہیں ہو سکتا وعظ کیا ہوا کھیل ہوا، یہ وہی بات ہوئی ع "پس ازاں کہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد" اور وہ بات ہوئی ع "ہماری جان گئی آپ کی ادا ٹھیری"۔ اسوقت مولانا یہ فرما رہے تھے کہ راہ حق میں ایسی کلفت بھی کیسی لذت بخش ہے **ف** مقصود اس قصہ کے نقل کرنے سے مولانا کا یہ قول نقل کرنا تھا جس سے مولانا کا مذاق وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ کے اتباع کا کس قدر وضوح سے ثابت ہوتا ہے جس میں اپنی ہمت کو قاصر دیکھتا تھا آخر ضعیف و قوی اور ناقص و کامل میں فرق تو

ہونا چاہیئے و نعم ما قیل فی مثل ہذا ؂

نسازد عشق را کنج سلامت　　خوشا رسوائی کوئے ملامت

وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۔

جام نمبر ۱۵:۔ ایک سفر میں مولانا کی معیت میں بسواری ریل بھاولپور سے واپسی ہو رہی تھی اتفاق سے اس درجہ میں صرف میں اور مولانا ہی تھے اور رفقاء دوسرے درجہ میں تھے، ظہر کا وقت تھا گرمی سخت تھی اور پسینہ کثرت سے نکل رہا تھا مولانا غایت تواضع اور بے تکلفی سے پنکھا ہاتھ میں لیکر مجھ کو ہوا کرنے لگے۔ میں اسکا تحمل کب کر سکتا تھا پریشان ہو کر پنکھا پکڑ لیا فرمانے لگے کیا حرج ہے کوئی دیکھتا تھوڑا ہی ہے یہ اس لئے فرمایا تھا کہ اس وقت درجہ میں کوئی تیسرا نہ تھا۔ میں نے عرض کیا کہ دیکھتا تو ہے فرمایا کون دیکھتا ہے۔ میں نے کہا کہ جس کے لئے میں آپکا ادب کرتا ہوں وہ دیکھتا ہے ہنسنے لگے اور پنکھا چھوڑ دیا **ف** کیا انتہا ہے اس بے نفسی کی کہ اپنے چھوٹوں کے ساتھ یہ برتاؤ اور اس سے بڑھ کر یہ کمال ہے کہ جب دیکھا کہ طبیعت پر گرانی ہے تو اپنے ارادہ پر اصرار نہیں فرمایا اور یہ کمال بڑھ کر اسلئے ہے کہ پہلے عمل میں تو اپنے رفیق کے جسم کی رعایت تھی اور دوسرے عمل میں قلب کی رعایت اور ثانی کا اول سے اکمل ہونا ظاہر ہے

جام نمبر ۱۶:۔ مجھکو متعدد سفروں میں مولانا کی معیت کا اتفاق رہا، میں بکثرت دیکھتا تھا کہ محنت مشقت کا کام کرنے میں بوجھ اٹھانے میں نہ کسی رفیق کا انتظار فرماتے تھے اور نہ کسی اجیر کا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرنیکو آمادہ ہو جاتے تھے گو خدام اسکی تکمیل نہ ہونے دیتے تھے مگر بعض اوقات خدام سے سبقت فرما جاتے تھے۔ **ف** اپنا یا رفقاء کا کام اپنے ہاتھ سے کرنا عین اتباع سنت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہیوں سے ممتاز ہو کر نہ رہتے تھے، خصوص سفر میں اور اکثر کام اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے۔

جام نمبر ۱۷:۔ ایک بار میں سہارنپور غالباً جلسہ مدرسہ میں حاضر ہوا بعد جلسہ کے ایک گاؤں والوں نے (جس کا نام غالباً گنجنورہ ہے) مولانا کو مع دوسرے خدام اور راحقر کے مدعو کیا اور اس سے دوسرے دن ایک تاجر چاول مقیم سہارنپور نے ہم سب کی مع بعض مہمانان مقیمین دعوت کی

مولانا نے وعدہ فرمالیا کہ گاؤں سے صبح کو واپس آکر دوپہر کا کھانا تمہارے یہاں کھالیں گے، شام کو گاؤں گئے، اور شب کو وہاں مقیم رہے پھر صبح کو عین ایسے وقت کہ خوب زور سے بارش ہورہی تھی اسٹیشن ٹپری پہ سوار ہوئے، اہل موضع ایسے وقت کے سفر کو گوارا نہ کرتے تھے اور قیام پر مصر تھے لیکن چونکہ ان سوداگر صاحب سے وعدہ تھا اس لئے بھیگتے ہوئے ریل پر پہنچے اور سہارنپور اترے، گاڑی میں بیٹھے ہوئے مدرسہ کو آرہے تھے کہ راستہ میں وہ سوداگر صاحب ملے، مولانا نے گاڑی ٹھیرا کر یا آہستہ کرا کر (یاد نہیں) انکو اپنی واپسی کی اطلاع کی کہ ہم لوگ اپنے وعدہ پر آگئے ہیں تو آپ کیا حزہ کا جواب دیتے ہیں کہ مجھکو امید واپسی کی نہ تھی اسلئے میں نے کچھ سامان نہیں کیا۔ اب کل صبح کی دعوت ہے، اسوقت مولانا کا حلم اور میرا غصہ دیکھنے کے قابل تھا مگر بوجہ ادب کے غصہ ظاہر نہ کرسکتا تھا اور مولانا نے منظور فرمالیا اور کھڑے چڑھے سب مہمانوں کے کھانے کا انتظام فرمانا پڑا۔ اگلے دن کی دعوت سے میں نے عذر کردیا جس کی اصل وجہ تو غصہ تھا مگر ظاہری عذر یہ کیا کہ سویرے بھوک نہیں لگتی اور دیر میں ریل نہ ملے گی اور مجھکو کل وطن جانا ضروری ہے، مولانا نے سفارش فرمائی کہ دعوت میں شریک ہوجانا اگر رغبت ہوئی کچھ کھالینا ورنہ اصرار نہ ہوگا۔ چنانچہ اگلے روز سب حضرات ان کے مکان پر پہنچے اور کھانا لایا گیا، میں بھی بیٹھا رہا مگر کھانے کی خواہش نہیں ہوئی کچھ تو غصہ کے سبب کچھ خلاف معمول ہونیکے سبب، تھوڑی دیر میں اجازت لیکر مکان سے باہر آیا اور صاحب دعوت کو بھی فرمائش کرکے ہمراہ لایا اور باہر آکر انکی اس نامعقول حرکت پر اچھی طرح کان کھولے اور توبہ کرائی

ف اس سے مولانا کا حلم ظاہر ہے اور حلم بھی اتنے درجہ کا کہ میں اس میں ساتھ نہیں دے سکا۔

جام نمبر ۱۸، احقر کو بعض امور اجتہادیہ ذوقیہ متعلقہ معاشرت و انتظام میں رائے کا اختلاف بھی تھا۔ اور اس اختلاف کے ہوتے ہوئے میرا یہ خیال تھا کہ مجھکو مولانا سے صرف اعتقاد عقلی ہوسکتا ہے انجذاب طبعی نہ ہوگا۔ مگر کیفیت یہ تھی کہ حاضری تو حاضری تصور کرنیسے اسقدر انجذاب ہوتا تھا کہ میری سمجھ میں نہ آتا تھا اور غالباً یہی کا اثر ہوگا کہ خواب میں بھی اگر کبھی زیارت ہوتی تو اسی شان سے ہوتی یہ کھلی دلیل ہے محبوبیت کی کہ محب کو گمان بھی نہیں بلکہ احتمال عدم کا ہے مگر طبیعت ہے کہ کھنچی چلی جاتی ہے اور میں اسکو اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت اپنے اوپر سمجھتا ہوں کہ اس اختلاف کے

ضرر سے مجھکو محفوظ رکھا۔

جام نمبر ۱۹:۔ احقر نے جو عقد ثانی کیا اسکے دوران میں یا بعد میں (یاد نہیں رہا) بعض ثقات سے معلوم ہوا کہ مولانا رح کی نظر میں پہلے ہی سے اسکا استحسان تھا اور رائے بھی ظاہر فرمائی تھی مگر غالباً یہ خیال تھا کہ احقر منکوحۂ اولی کے سبب اسکی ہمت نہ کرے جب اسکا وقوع ہوگیا بہت مسرت ظاہر فرمائی اور میری اس درخواست کے جواب میں کہ اللہ تعالی سے دعا کیجئے کہ اسمیں برکت فرمادے " یہ فرمایا کہ ہم کو تو برکات کی توقع ہے (کما فی اصلاح الانقلاب) ف اس سے مولانا کا تعلق نیازمندوں کی مصالح ظاہرہ و باطنہ سے ظاہر ہے یہ شان فیوض مقام نبوت سے ہے ورنہ مقام ولایت کے فیض کی شان دوسری ہوتی ہے کہ کسی مصلحت میں دخل نہ دیا جائے۔ اور اول کا اکمل ہونا معروف ہے

جام نمبر ۲۰:۔ اور اس جام میں دوسرے نوع جام کی طرف بھی اشارہ ہے جو اس شعر میں مذکور ہے

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید   زجام دہر مے کل من علیہا فان

یعنی اسمیں وفات کے بعد برزخ کا ایک واقعہ مذکور ہے گو ظنی ہے لیکن مبشرات میں سے ہونیکے سبب قابل ذکر ہے اور یہ ایک ثقہ کا خواب ہے جن کا نام محمد عمر فاروق مقیم غازیپور زیر قلعہ کہنہ ہے انکا خط ۱۳ رجب سنہ ۱۳۴۶ھ کو میرے پاس آیا جو بعینہ منقول ہے اور اسی پر اس عجالہ کو ختم کرتا ہوں، وھو ھذا۔ حال میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کی بھی زیارت سے شرفیاب ہوا ہوں مولانا مرحوم کو خواب میں بہت ہی خوش دیکھا احقر نے عرض کیا کہ آپ تو زندہ ہیں لوگوں نے ناحق وفات کی خبر اڑا دی اسپر مولانا نے ہنسکر فرمایا میں تو زندہ ہوں پھر یہ دیکھا کہ مولانا کسی طالب علم کو مالابدمنہ پڑھانا چاہتے ہیں انتہت الرؤیا۔ ف تعبیر ظاہر ہے یہ ارشاد کہ میں تو زندہ ہوں مصداق ہے اس قول کا ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق   ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اور مالابدمنہ پڑھانا اشارہ ہے مولانا کے جامع بین الفقہ الظاہر و الفقہ الباطن کی طرف کیونکہ مالابدمنہ کے مصنف دونوں کے جامع ہیں اسکی ساتھ ہی اشارہ ہے شان غلبۂ فقہ ظاہر کی طرف چنانچہ مالابدمنہ میں غالب حصہ یہی ہے واللہ اعلم وھذا اخر ما اردت ایرادہ فی ھذا الحین نفع اللہ بہ الطالبین ورزقنا حبہ و حب نبیہ و حب الصالحین فقط اوائل ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۶ھ مقام تھانہ بھون

ضمیمہ خوان خلیل

بعد الحمد والصلوۃ

ا متعلقہ صہ ۵ بہ ا (ترجمہ) مولانا عارف جامی نے حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کے خریداروں کے بارے میں نقل فرمایا ہے (ترجمہ اشعار) جب حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کی گرم بازاری ہوئی تو سب اہل مصران کے خریدار بن گئے، جس مال پر جو شخص جتنی قدرت رکھتا تھا اس بازار میں ان کی خریداری کی ہوس رکھتا تھا. میں نے سنا کہ ان کے غم سے ایک بڑھیا بہت پریشان سوت کے چند دھاگے لیکر کہہ رہی تھی کہ اگر میرے پاس پونجی کھوٹی ہے تو میرے لئے یہی کافی ہے کہ ان کے خریداروں کی قطار میں میرا شمار ہو جائے.

اسی مخلص بڑھیا کی تقلید ان سطور کی تحریر میں احقر نے اختیار کی ہے. کہ ایک حبر ہمام اور بحر قمقام یعنی (ترجمہ اشعار عربی) حضرت مولانا خلیل احمد جو کہ حق تعالیٰ شانہ کی محبت کے لباس سے آراستہ ہیں اور حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے ہمنام اور اپنے زمانہ کے یوسف جن کا چہرۂ انور روشنی میں قلب مبارک کے مانند ہے جن کی وفات ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ میں ہے اللہ تعالیٰ ان کے فیوض وبرکات سے دور اور نزدیک سب لوگوں کو مستفیض فرمائے. کے دریائے کمالات میں سے (آگے ترجمہ کی حاجت نہیں)

۲ متعلقہ صہ ۵ یادیاراں حضرت قطب الارشاد شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے وصال پر تصنیف فرمایا تھا، اور ذکر محمود حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کے وصال پر لکھا تھا. اور دونوں رسالے اسی وقت مستقل طبع بھی ہو گئے تھے.

۳ متعلقہ صہ ۶ حضرت نور اللہ مرقدہ ۱۳۱۵ھ میں کانپور سے ملازمت چھوڑ کر اپنے وطن مستقل طور پر خانقاہ امدادیہ میں رونق افروز ہوئے.

۴ متعلقہ ص۶ حضرت سہارنپوری نوراللہ مرقدہ ۱۲۸۸ھ یا ۱۲۸۹ھ میں حضرت قطب الارشاد مولانا گنگوہی سے بیعت ہوئے تھے جیسا کہ خود حضرت سہارنپوری کی تحریر مقدمہ اکمال الشیم میں لکھا ہے اور اس بیعت کی تفصیل بھی لکھی ہے۔ اس کے بعد ۱۲۹۷ھ میں جبکہ حضرت سہارنپوری کا دوسرا سفر حج تھا حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی نے اپنے پیر و مرشد اعلیحضرت حاجی صاحب کو بطور سفارش کے یہ تحریر فرمایا کہ مولوی خلیل احمد حاضر خدمت ہوتے ہیں حضرت ان کی حالت پر مطلع ہو کر مسرور ہونگے چنانچہ جب آپ حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت آپ کی باطنی کیفیت مشاہدہ فرما کر نہایت خوش ہوئے اور جب آپ محرم ۱۲۹۸ھ میں واپس ہونے لگے تو چھاتی سے لگایا اور اپنی دستار مبارک اپنے سر سے اتار کر حضرت سہارنپوری کے سر پر رکھدی، اور حضرت گنگوہی کے نام مبارک باد کا خط اور حضرت سہارنپوری کے نام کا خلافت نامہ مزین بمہر آپکے حوالہ فرما کر آپ کو رخصت کیا، حضرت نے اس شاہی عطیہ کو ایک خاص احترام کے ساتھ قبول کیا اور دستار مبارک کو اسی بندش پر جو اعلیٰ حضرت کی باندھی ہوئی تھی جگہ جگہ سوئی سے سی لیا کہ اس کے بل جدا نہ ہونے پائیں۔ اور جب ہندوستان پہنچکر گنگوہ حاضر ہوئے تو اعلیحضرت کا والا نامہ پیش کر کے یہ دونوں عطیے بھی حضرت گنگوہی کے سامنے رکھدیئے۔ حضرت نے فرمایا کہ مبارک ہو یہ تو اعلیٰ حضرت کا عطیہ ہے، آپنے عرض کیا کہ بندہ تو اس لائق نہیں یہ حضور کی بندہ نوازی ہے۔ اور میرے لئے تو وہی مبارک ہے جو آنحضرت کی طرف سے عطا ہو۔ نیز یہ بھی عرض کیا کہ اجازت نامہ درحقیقت شہادت ہے کسی مسلمان کے ایمان کی لہذا دو مقبول شہادتیں ثبت ہوں گی تو ہر شخص کی نفسی نفسی پکارنیکے وقت بارگاہ خدا میں پیش کر سکوں گا۔ حضرت امام ربانی آپ کے اس حسن ادب سے کہ اصل کمال یہی ہے بہت خوش ہوئے۔ اور خلافت نامہ پر دستخط فرما کر مع دستار آپ کے حوالہ فرما دیا ۱۲ (تذکرۃ الخلیل ص۵۵)

۵ متعلقہ ص۶ حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی نوراللہ مرقدہ طالب علمی کے آخری دور ۱۲۹۹ھ میں بحالت قیام دیوبند بذریعہ خط شیخ العرب و العجم سید الطائفہ

حضرت حاجی صاحب سے بیعت ہوئے (تمہید تربیۃ السالک) حضرت تھانوی نے یاد یاراں کے شروع ہی میں اس قصہ کو خود تحریر فرمایا ہے کہ سب سے اول اس نااہل کو اس مرکزِ دائرۂ ارشاد کی زیارت اس وقت ہوئی جب میں مدرسہ دیوبند میں پڑھتا تھا۔ اور وہاں حضرت اپنی تشریف آوری سے اہل مدرسہ کو و اہل شہر کو گاہ گاہ مشرف فرمایا کرتے تھے۔ سن یاد نہیں رہا دیکھنے سے میرے قلب میں جو عقیدت اور محبت پیدا ہوئی وہ میرے لئے باعث اسکی ہوئی کہ باوجود حقیقت وغایت بیعت کے نہ سمجھنے کے میں نے بیعت کی درخواست کی چونکہ طبیب حاذق کو مریض کی رائے کا اتباع ضرور نہیں بلکہ اگر ایسا کیا جاوے تو مریض کے لئے مضر بھی ہے۔ اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک علم سے فراغ نہ ہو جائے اسوقت تک ایسا خیال وسوسۂ شیطانی ہے۔ اس وقت میری سمجھ میں اس جواب کی حقیقت وعظمت اور حکمت مطلق نہ آئی اور غلط فہمی سے اسکو دفع الوقتی پر محمول کیا الخ آگے حضرت نے اسکی مصالح بتلائی ہیں، اس واقعہ کو حضرت تھانوی رح کی سوانح میں اور بھی مفصل لکھا ہے۔ جس کو مختصر نقل کراتا ہوں۔ "چونکہ بمصلحت اشاعت معارف امدادیہ حضرت کا حضرت حاجی صاحب سے تعلق بیعت روزِ ازل ہی سے مقدر ہو چکا تھا، اس کا غیبی سامان یہ ہوا کہ ایک مرتبہ حضرت گنگوہی دیوبند تشریف لائے تو حضرت والا بغرض مصافحہ دوڑے تو ان اینٹوں کی وجہ سے جو وہاں نودرہ کی تعمیر کی وجہ سے پڑی تھیں حضرت کا پاؤں بے اختیار پھسلا اور گرنے ہی کو تھے کہ حضرت گنگوہی نے فوراً ہاتھ پکڑ کر سنبھال لیا۔ حضرت والا کو حضرت گنگوہی کی زیارت ہوتے ہی اس قدر کشش اور عقیدت ہوئی کہ بیعت کی درخواست کی مولانا نے اس بنا پر بزمانۂ طالب علمی کہ شغل باطن مخل تحصیل علم ہوگا انکار کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد قریب ہی جب مولانا گنگوہی ۱۲۹۹ھ میں تیسرے حج کو تشریف لیجانے لگے تو حضرت نے حاجی صاحب کی خدمت میں اس مضمون کا عریضہ لکھکر غالباً خود مولانا ہی کے ہاتھ بھیجا کہ میں نے تو مولانا سے بیعت کے لئے عرض کیا تھا انھوں نے انکار

فرما دیا. آپ مولانا سے فرما دیں کہ مجھکو بیعت کر لیں. لیکن حضرت حاجی صاحب نے بجائے مولانا سے سفارش فرمانے کے حضرت والا کو خود ہی شرف بیعت سے غائبانہ مشرف فرمایا اور اب معلوم ہوا کہ مولانا کے انکار بیعت میں یہ قدرتی سبب در پردہ کار فرما تھا، کہ حضرت والا حضرت حاجی صاحب ہی کے حصہ میں آنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب ہو چکے تھے. اشرف السوانح صـ۱۶۶ میں اس واقعہ کو ذرا تفصیل سے لکھا ہے جس کو دیکھنا ہو وہاں دیکھ لے. حضرت حاجی صاحب نے اس کے بعد حضرت کے والد ماجد کو لکھا کہ جب تم حج کو آؤ تو اپنے بڑے لڑکے کو لیکر آنا. چنانچہ ۱۳۰۱ھ میں حضرت حکیم الامۃ مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور حضرت حاجی صاحب سے دست بدست بیعت ہوئے اور پھر ۱۳۰۲ھ میں تشریف آوری ہوئی حضرت حاجی صاحب نے حضرت حکیم الامۃ سے فرمایا کہ چھ مہینے میرے پاس رہجاؤ مگر والد صاحب نے مفارقت گوارا نہ کی. اسپر حاجی صاحب نے یہ فرما کر کہ والد کی اطاعت مقدم ہے اب تو چلے جاؤ پھر دیکھا جائیگا. دس برس تک حضرت حکیم الامۃ کو حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق بڑھتا ہی رہا اور خط و کتابت بھی اس درمیان میں ہوتی رہی جو اشرف السوانح میں موجود ہے بالآخر ۱۳۱۰ھ میں حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں چھ ماہ قیام کرنے کی نیت سے روانہ ہو گئے. اور وہاں پہونچکر حضرت حاجی صاحب کی وہ شفقتیں اور خصوصی توجہات بڑھیں کہ دیکھنے والوں کو حسد ہو گیا. حضرت حکیم الامۃ کے الفاظ ہیں "ارادہ تو چھ ماہ قیام کا تھا، مگر لگائی بجھائی کرنیوالوں اور حاسدوں سے یہ اندیشہ ہوا کہ ابھی تو میں مقبول ہوں آئندہ کہیں یہ حاسدین حضرت کو میری طرف سے مکدر نہ کر دیں. اسلئے ہفتہ عشرہ پہلے ہی روانہ ہو گیا." اس دوران قیام میں حضرت حاجی صاحب نے سر سید مرحوم کو ایک خط حضرت تھانوی سے لکھوایا. جس کے بھیجنے میں بعض خدام مانع ہوئے. حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے کئی دفعہ فرمایا کہ اگر وہ خط بھیجدیا جاتا تو امید ہے کہ اصلاح ہو جاتی مگر ہمارے دوستوں کی رائے نہ ہوئی، یہ خط اصلاح الخیال کے آخر میں طبع ہو گیا ہے.

۷۶ متعلقہ ص۷ یہ واقعہ آپ بیتی ۴ ص۲۷ پر حضرت تھانوی کے حالات کے ذیل میں اس سیہ کار نے بھی لکھا ہے کیونکہ یہ سیہ کار بھی اس دعوت میں شریک تھا اس میں بندہ نے باسٹھ ۶۲ رکابیاں لکھی ہیں اور اس دعوت کی کچھ مزید تفصیل بھی لکھی ہے شرکاء طعام تو چار ہی تھے۔ حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ اور یہ سیہ کار اور خود حضرت تھانوی اور وہ رئیس تھانہ بھون جن کا اسم گرامی جب حضرت قدس سرہ نے نہیں لکھا تو میں کیوں لکھوں۔

۷۷ متعلقہ ص۸ یہ محاکمہ تتمہ جلد رابع فتاوی امدادیہ کے آخر میں ص۳۲۲ پر بہت تفصیل سے لکھا ہوا ہے، چار صفحات پر ص۳۲۲ سے مذکور ہے، جس میں زید و عمرو کے اقوال اور ان کے دلائل ذکر کئے گئے ہیں، ابتداء اس مضمون سے ہے "محاکمہ متعلقہ مسئلہ تصویر از مولانا خلیل احمد صاحب، کیا فرماتے ہیں علماء دین اس باب میں کہ زید و عمرو میں حسب ذیل مکاتبت ہوئی، اس میں حق کس کی تقریر ہے اور اگر زید کی تقریر حق ہے تو عمرو کی اخیر تقریر کا کیا جواب ہے۔ وجہ اس مکاتبت کی یہ ہوئی کہ عمرو نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ پشت کی طرف سے فوٹو لینے میں جس میں چہرہ نہ آوے گنجائش معلوم ہوتی ہے اور درمختار کی روایت ممحوۃ الوجہ سے اس کا استدلال تھا اس پر زید کی تقریر ہوئی پھر اس پر آگے سلسلہ چلا، آگے زید و عمرو کی طویل مکاتبت جو مسئلہ فقہیہ سے تعلق رکھتی ہے اور اس میں کثرت سے عربی عبارتیں بھی مذکور ہے۔ ان سب کی یہاں ضرورت نہیں اصل امداد الفتاوی میں جس کو دیکھنا ہو دیکھ لے۔ اس جگہ تو صرف خوان خلیل کی مناسبت سے حضرت سہارنپوری کا محاکمہ نقل کرنا ہے جس کی طرف حضرت حکیم الامۃ نے اپنے اس جام میں اشارہ فرمایا ہے" الجواب۔ حامداً و مصلیاً، بندۂ ناچیز باعتبار اپنے علم و فہم کے اس قابل نہیں ہے کہ علماء اعلام کے اختلاف کا فیصلہ کر سکے مگر ہاں امتثالاً للامر الشریف اس مسئلہ میں جو کچھ خیال میں آیا ہے عرض کرتا ہے۔ روایات فقہیہ کے دیکھنے سے یہ امر واضح ہے کہ عمل تصویر اور اقتناء تصویر میں فقہاء کے نزدیک فرق ہے، تصویر سازی کو مطلقاً حرام اور ناجائز تحریر فرماتے ہیں۔ اور اقتناء تصویر کو مطلقاً ناجائز نہیں لکھتے

بلکہ بعد تغیرات جائز تحریر فرماتے ہیں۔ لہذا ان وجوہ سے زید کا قول حق معلوم ہوتا ہے کہ فوٹو لینے میں کسی جاندار کے خواہ وجہ کی طرف سے لیا جائے یا پشت کی طرف سے عدم جواز ہو اگرچہ زید کی تعمیم مستبین الاعضاء ہو یا غیر مستبین الاعضاء ان دونوں کی مساوات روایات سے مفہوم نہیں ہوتی، اور روایت ترمذی وابوداؤد جس کے الفاظ یہ ہیں فمر بالتمثال الذی علی باب البیت فیقطع فیصیر کہیئۃ الشجرۃ اس امر کے اوپر دلالت کرتی ہے کہ بعد قطع راس تصویر ذی روح کی باقی نہیں رہتی بلکہ وہ کالشجرہ ہو جاتی ہے حالانکہ وہ تصویر ظاہراً حیوان ہی کی تصویر معلوم ہوتی ہے اور مضاہاۃ بخلق اللہ جو علت حرمۃ ہے متحقق معلوم ہوتی ہے، اور نیز مخصوص راس کا مختلف فیہ ہونا بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ جب بعض اجزائے اصلیہ مفقود ہو گئے تو وہ تصویر ذی روح کی تصویر نہ رہی، ردالمحتار میں ہے وفیہ اشعار بانہ لاتکرہ صورۃ الراس وفیہ خلاف کما فی اتخاذہا کذا فی المحیط۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض فقہاء نے ایسے جزء کا حکم کل کا قرار دیا ہے اور ذی روح قرار دیکر اسکو منع کیا ہے اور بعض نے اسکو غیر ذی روح قرار دیا ہے۔ اور جائز فرمایا ہے۔ بندہ کے نزدیک ایسے اختلاف کی صورت میں اس خلاف کو نزاع لفظی پر محمول کیا جاوے۔ اور حرمت کا محل عام اسکو قرار دیا جاوے کہ جب قصداً کسی ذی روح کی تصویر پشت کی جانب سے لی جاوے تو بروئے اطلاق روایات ناجائز ہو۔ اور جبکہ تصویر کا لینا مقصود نہو مثلاً کسی مکان یا جنگل یا پہاڑ کی تصویر لینی مقصود ہے اور پشت کی جانب سے کسی انسان کی تصویر آگئی یا اس قدر صغیر ہے کہ جو قریب سے بھی بدشواری فہم میں آتی ہے گویا مقدار طیر سے بھی کم ہے تو ایسی صورت میں جائز کہدیا جاوے تو بظاہر کچھ مضائقہ نہیں، واللہ اعلم بالصواب، حررہ خلیل احمد عفی عنہ

۵۸ متعلقہ صہ بیان القرآن کے حاشیہ پر مختلف توجیہات کے بعد یہ عبارت ہے: "والذی تحرر عندی فیہ وفیما ورد من امثالہ علی تقدیر ثبوت ہذہ الروایات ان ہولاء رضی اللہ تعالی عنہم سمعوا القراۃ التی اختاروہا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی

آلہ وسلم تسلیماً ولم یسمعوا القرآءات الموجودۃ ثم ان تلک القرآءۃ نسخت ولم یبلغہم الخبر فداوموا علیہا وانکروا غیرہا بمخالفۃ ظاہر القواعد وعدم سماعہ کما کان ابو الدرداء یقرء والذکر والانثی وکانت عائشۃ تقرء خمس رضعات فاحفظ کذا افاد جامع الفضائل العلمیۃ والعملیۃ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی دامت برکاتہم

۹ متعلقہ صـ۹ یہ امداد الفتاوی جلد چہارم طبع ہند کے صـ۲۲۷ سے صـ۲۳۶ تک ہے علمی مسائل ہیں جس کا جی چاہے اصل سے مراجعت کرلے۔ عنوان اسکا یہ ہے "بعضے از تحریرات سیدنا و مولانا خلیل احمد صاحب دامت برکاتہم۔ کہ در جواب سوالات صاحب فتاوی صدور یافتہ بمناسبت مقام در آخر ملحق کردہ شد،، پہلا مسئلہ بعض قرآءت کے متعلق ہے طویل مضمون ہے اس کا خلاصہ جام ۳ کے اندر آچکا ہے۔ اس کے بعد حضرت نے تحریر فرمایا کہ پہلی مکاتبت تو ختم ہو گئی اب دوسری مکاتبت شروع ہوتی ہے۔ مخدومنا و مقتدانا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ اتفاق سے ایک مبتدع کی کتاب میں بعض شبہات نظر سے متعلقہ بمعجزہ گذرے جن کے شافی کافی جواب کے لئے طبیعت جویاں ہے۔ اور اس غرض سے اسوقت تکلیف دیتا ہوں (۱) معجزات کے متعلق اور جھوٹا دعوی نبوت کرنیوالے کے متعلق طویل مضمون ہے۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ دوٗ مسئلے فروع میں سے قابل تحقیق ہیں ایک یہ کہ مدرسہ میں جو روپیہ آتا ہے اگر یہ وقف ہے تو بقاء عین کے ساتھ انتفاع کہاں ہے۔ اور اگر یہ ملک معطی کا ہے تو اس کے مرجانے کے بعد واپسی ورثہ کی طرف واجب ہے۔ (الجواب) عاجز کے نزدیک مدارس کا روپیہ وقف نہیں مگر اہل مدرسہ مثل عمال بیت المال معطیین اور آخذین کی طرف سے وکلاء ہیں لہذا اسمیں نہ زکوۃ واجب ہوگی اور نہ معطیین واپس لے سکتے ہیں (مکرر سوال) حضرت مخدومنا دام اللہ ظلال فیوضہم علینا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، شفانامہ مزیل مرض ہوا لیکن اساس شبہہ ہنوز قطع نہیں ہوئی (اسکے بعد پہلا نمبر تو معجزات کے متعلق ہے اور دوسرا نمبر یہ ہے) عمال بیت المال منصوب من السلطان ہیں اور سلطان

کی ولایت عامہ ہے اس لئے وہ سب کا وکیل بن سکتا ہے۔ اور مقیس میں ولایت عامہ نہیں ہے اس لئے آخذین کا وکیل کیسے بنے گا۔ کیونکہ توکیل صریح ہے اور نہ دلالۃ ہے اور مقیس علیہ میں دلالۃ ہے کہ سب اس کے زیر طاعت ہیں۔ اور وہ واجب الاطاعت ہے۔

(الجواب) سیدی ادام اللہ فیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ، بندہ کے خیال میں سلطان میں دو وصف ہیں، ایک حکومت جس کا ثمرہ تنفیذ حدود و قصاص ہے دوسرا انتظام حقوق عامہ، امر اول میں کوئی اس کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ امر ثانی میں اہل حل وعقد بوقت ضرورت قائم مقام ہو سکتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ اہل حل وعقد کی رائے ومشورہ کے ساتھ نصب سلطان وابستہ ہے جو باب انتظام سے ہے۔ لہذا مالی انتظام مدارس جو برضاء ملاک وطلبہ ابقاء دین کے لئے کیا گیا ہے بالاولیٰ معتبر ہوگا ذرا غور فرماویں انتظام جمعہ کیلئے عامہ کا نصب امام معتبر ہونا ہی جزئیات میں اسکی نظیر شاید ہو سکے۔ والسلام خلیل احمد عفی عنہ ۵ رجب ۱۳۲۵ھ۔

فروع میں دوسرا مسئلہ جس کا حوالہ اوپر آیا تھا عدت کے متعلق تھا کہ اگر عورت خاوند یا اس کے اقرباء پر زبان درازی کرے تو اسکی وجہ سے اسکو گھر سے نکالا جا سکتا ہے یا نہیں، اس کے متعلق بھی تحریرات بہت سی اصل کتاب امداد الفتاویٰ میں موجود ہیں، ایسے ہی نقود مدرسے کے متعلق حضرت اقدس قطب عالم مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے بھی یہی سوال کسی نے کیا تھا، حضرت گنگوہی نے اس کا جواب مرحمت فرمایا تھا جس کا ذکر تذکرۃ الرشید ص ۱۶۴ پر ہے۔ عبارت اسکی یہ ہے، سشبلہ:۔ مدرسہ میں جو چندہ وغیرہ کا روپیہ آتا ہے وہ وقف ہے یا مملوک، اگر وقف ہے تو بقاء عین واجب ہے اور صرف بالاستھلاک ناجائز اور اگر مملوک ہے اور مہتمم صرف وکیل تو معطی چندہ اگر مر جائے تو غرباء ..... اور ورثاء کا حق ہے اس کی تفتیش وکیل کو واجب ہے، زمانہ شارع علیہ السلام وخلفاء میں جو بیت المال تھا اسمیں بھی یہ اشکال جاری ہے، بہت سوچا مگر قواعد شرعیہ سے حل نہیں ہوا۔ اور مختلف چندوں کو خلط کرنا استہلاک ہونا چاہیئے اور مستہلک ملک مستہلک ہو کر جو صرف کیا جائے اس کا تبرع ہوگا اور مالکوں کا ضامن ہوگا۔ اگر یہ ہے تو

اہل مدرسہ یا امین انجمن کو سخت دقت ہے اھ (الجواب از حضرت قطب عالم) مہتمم مدرسہ کا قیم و نائب جملہ طلبار کا ہوتا ہے جیسا امیر نائب جملہ عالم کا ہوتا ہے، پس جو شئی کسی نے مہتمم کو دی مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبضہ ہے اس کے قبض سے ملک معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہوگیا اگرچہ وہ مجہول الکمیۃ والذوات ہوں، مگر نائب معین ہے پس بعد موت معطی کے ملک ورثہ معطی کی اس میں نہیں ہوسکتی، اور مہتمم بعض وجوہ میں وکیل معطی کا بھی... ہوسکتا ہے۔ بہرحال نہ یہ وقف مال ہے اور نہ ملک ورثہ معطی کی ہوگی اور نہ خود معطی کی ملک رہے، واللہ اعلم،

نمبر۵ متعلقہ ص۹ یہ بھی بہت طویل خط وکتابت ہے جو ترجیح الراجح حصہ دوم کے ص۱۸۲ سے شروع ہوکر ص۱۹۰ تک ۸ صفحے میں ہے، جسکی تمہید میں حضرت حکیم الامۃ نے لکھا ہے مسائلۃ اہل النخلۃ فی مسئلۃ الظلۃ۔ بعد الحمد والصلوۃ اس احقر نے مسجد پیر محمد والی کی چار سہ دریوں کے سامنے ٹین کا سائبان ڈلوایا تھا ان میں ایک سہ دری ...... کے سائبان کے متعلق بعض اہل علم سے بطور تحقیق خط وکتابت ہوئی اسکو اس غرض سے نقل کرتا ہوں کہ اہل علم سے اس باب میں مزید تحقیق کرلیجاوے۔ اور میرے قول و نقل کو حجت نہ سمجھا جاوے، میں نے اپنی فہم کے موافق کہا ہے اور کیا ہے وسمیتہا بما سمیتہا اشارۃ الی الاسم المسمی نوآثث[1] الکابر نخبۃ الاکابر (مکتوب اول آں بزرگ) مکرم محترم سیدی ادام اللہ تعالیٰ فیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (ایک اور مضمون[2] کے بعد) آپ کی سہ دری کے سائبان کے متعلق مجھکو خلجان ہے میں اسکو ناجائز سمجھ رہا ہوں اور آپ جائز۔ مولوی ...... کی تقریر کچھ فہم میں نہیں آئی، اسلئے مکلف خدمت ہوں کہ مفصل کیفیت اسکی تحریر فرمادیں کہ وہ جنوبی سہ دری داخل مسجد ہے یا خارج مسجد، اور مسجد کے ساتھ اسکی تعمیر ہے یا بعد میں تعمیر کیگئی

---

[1] یہ لفظ مختلف رسالوں میں ایسے ہی ملا مگر اس کو ہمارے مدرسہ کے ناظم اور حضرت حکیم الامۃ کے اجل خلفاء میں سے حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحب نے تراث الکابر پڑھا ہے اس کے معنی سلف کی میراث کے ہیں ۱۲ از

[2] کذا فی الاصل ۱۲

یا اس کا کوئی حصہ داخل مسجد ہے، بعد تفصیلی علم کے اگر خلجان رہا تو عرض کروں گا۔ (پھر ایک اور مضمون ہے) والسلام ۳۰ شوال ۱۳۳۱ھ (معروض احقر بجواب مکتوب اول) (میرے پاس جو کاغذ ہے اسمیں القاب آداب نقل نہیں ہوئے ۱۲ امنہ) مولوی ...... ہے جو مضمون ذکر کیا گیا تھا وہ مطول تھا اس لئے بوجہ عدم انضباط کے ادا نہیں کرسکے ملخص اسکا یہ ہے کہ یہ دیوار جسپر سائبان رکھا گیا ہے جزو مسجد ہے اور سائبان بھی بقصد مصلحت مسجد ڈالا گیا ہے الخ۔ مکتوب دوم بجواب معروض بالا، مکرم و محترم دامت برکاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (بعد ایک مضمون کے) سائبان مسجد کے متعلق جناب نے دو مقدمے تحریر فرمائے الخ معروض احقر بجواب مکتوب دوم (بعد القاب و آداب کے) دیوار کو جو میں نے جزو مسجد لکھا تھا وہ اس بنا پر کہ وہ فرش مسجد پر بنی ہوئی ہے جیسا کہ حدود متقابلہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے گو بعد میں بنائی گئی۔ چنانچہ ایک بار میں نے حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں بھی یہی شبہ پیش کیا تھا الخ مکتوب سوم بجواب معروض بالا، مکرم محترم مصدر مکارم دام فضلکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، گرامی نامہ موجب برکت ہوا کئی روز تک تو یہ خیال رہا کہ مسئلہ کے متعلق کچھ عرض کروں یا نہ کروں مبادا تکرار موجب بار ہو بالآخر یہ خیال ہوا کہ اپنا خیال ایک دفعہ اور عرض کر دوں، اسوقت مجھکو دو امر عرض کرنے ہیں ایک تو دیوار کے متعلق کہ مسجد ہے یا نہیں دوسرے سائبان کے متعلق الخ معروض احقر بجواب مکتوب سوم (بعد القاب و آداب) والا نامہ نے مشرف فرمایا، اظہار حق کا تکرار حاشا و کلا کہ قلب پر بار ہو اور بحمد اللہ مجھکو تو عادت ہے کہ جب کسی امر کا حق ہونا واضح ہوجاتا ہے پھر اپنی رائے پر اصرار نہیں ہوتا سو اب تک اسی کا انتظار ہے جو نہیں ہوا۔ اور مجھ کو بھی تکرار فی الجواب خلاف ادب معلوم ہوتا ہے مگر تحقیق نے اس پر جری کیا۔ الخ والسلام خیر الختام ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ تمت المکاتبۃ تنبیہ۔ گو پھر اس معروض کا جواب نہیں آیا مگر اس جواب نہ آنے کو حجت نہ سمجھا جاوے چونکہ اس کا سبب کوئی عارض بھی ہو سکتا ہے مثلاً وہی امر جو مکتوب سوم کے شروع میں مذکور ہے اسلئے اب بھی ضرورت ہے کہ اس باب میں اہل علم سے مزید تحقیق کرلیجاوے جیسا تمہید میں عرض کیا گیا۔ فقط

ص ۱۱ حکایات الشکایات حضرت حکیم الامۃ کی ایک مستقل تالیف ہے جو مستقل بھی چھپی ہے مگر وہ نہیں ملی لیکن یہ مضمون الامداد بابت ماہ جمادی الثانیہ ۳۶ھ سے شروع ہوا ہے۔ جس کی تمہید میں حضرت حکیم الامۃ نے لکھا ہے۔ بعد حمد و صلوۃ کے یہ احقر عرض رسا ہے کہ ایک مدت دراز سے مجھ پر عنایت فرماؤں کی طرف سے بیجا اعتراضوں کی بوچھار ہے۔ جس میں سے اکثر کا سبب تعصب و تحزب ہے جس کے جواب کی طرف احقر نے اس لئے کبھی التفات نہیں کیا کہ میں نے ان اعتراضوں کو قابل التفات نہیں سمجھا نیز یہ بھی خیال ہوا کہ آجکل جواب دینا قاطع اعتراضات نہیں ہوتا بلکہ اور زیادہ مطول کلام ہو جاتا ہے۔ تو وقت بھی ضائع ہوا اور غایت بھی حاصل نہیں ہوئی، تیسرے مجھکو اس سے زیادہ اہم کام اس کثرت سے رہا کئے کہ اس کام کیلئے مجھکو وقت بھی نہیں مل سکتا تھا۔ چوتھے میں نے جہاں تک دل کو ٹٹولا ایسے اعتراضوں کے جواب دینے میں نیت اچھی نہیں پائی میں اہل خلوص کو تو کہتا نہیں مگر مجھ جیسے مغلوب النفس کی نیت تو زیادہ یہی ہوتی ہے کہ جواب نہ دینے میں معتقدین کم ہو جاویں گے، شان میں فرق آجائیگا جس کا حاصل ارضار عوام ہے سو طبعاً مجھ کو اس مقصود یعنی ارضار عوام سے غیرت آتی ہے باقی بعض محبین کی یہ توجیہ کہ اعتراض سے عام مسلمانوں کو بدگمانی کا گناہ ہوتا ہے تو جواب سے ان کا اس گناہ سے بچانا ہے تامل کے بعد یہ توجیہ برائے گفتن ہی معلوم ہوئی ہے کیونکہ مسلمان دوسرے ہزاروں گناہوں میں مبتلا ہیں ان سے بچانے کا اسقدر اہتمام کیوں نہیں کیا جاتا۔ نیز دوسرے علماء حقانی سے اگر ایسی ہی بدگمانی ہو جائے اس کے رفع کرنیکا وہ اہتمام نہیں ہوتا جو اپنے نفس یا اپنے کسی معتقد فیہ کیلئے ہوتا ہے بلکہ اس قدر تو کیا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض اوقات تو اگر ان بزرگوں سے کچھ چشمک ہوتی ہے تو نفس میں ایک گونہ سرور پایا جاتا ہے کہ اچھا ہوا انکی ذرا رسوائی تو ہوئی۔ تدین کا تو مقتضٰی یہ تھا کہ اگر اپنے یا اپنے اکابر کے کسی مخالف سے بھی کسی کو بیجا بدگمانی ہو تو اس کے رفع کیلئے بھی ویسا ہی اہتمام ہو جیسا اپنے یا اپنے اکابر کے لئے ہو لیے، پھر اس توجیہ کو کیسے

قبول کیا جا سکتا ہے اور خیر اگر اپنے کسی بزرگ کے لئے ایسا اہتمام کرے تو اسکو نصرت
مظلوم میں بھی داخل کر سکتے ہیں جو کہ طاعت ہے. مگر اپنے نفس کیلئے ایسا کرنا تو کوئی طاعت
بھی نہیں گو جائز ہو. مگر ممکن ہے کہ کسی کو بعض جائز سے بھی طبعاً انقباض ہوتا ہو
چونکہ احقر کو اس سے انقباض ہوتا ہے بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے گویا عوام
کی خوشامد ہو رہی ہے کہ ہم سے ناراض مت ہو نا ہم کو برا مت سمجھنا ہماری برائی تم سے غلط
کہی گئی ہے سو جہاں کوئی دنیوی ضرورت ہو وہاں تو ایسا کرنا بھی مضائقہ نہیں اور جہاں
یہ بھی نہ ہو تو کیوں تعب میں پڑے اور تقلیل منافع مالیہ یا فوت جاہ یہ کوئی معتد بہ ضرر
نہیں جس کے لئے اتنا اہتمام کیا جائے یہ ہے میرا مذاق اس امر میں پس ان وجوہ سے
میں نے اس کا کبھی قصد نہیں کیا اور نہ اپنے مخصوصین کو اسکی اجازت دی. ہاں اگر
کسی محض بے تعلق شخص نے بدون مجھ سے مشورہ لئے ہوئے کبھی جواب دیدیا تو نفس
کو سرور ضرور ہوا مگر پوچھنے پر مشورہ بھی کسی کو نہیں دیا. لیکن آجکل بعضے نئے اعتراضات
سن کر خصوص رسائل الامداد بابت شہور اولیہ سن رواں کے مضامین کے متعلق یا بعضے پرانے
اعتراضوں کا اعادہ سن کر قلب میں ایک نیا خیال یہ پیدا ہوا کہ ممکن ہے کہ بعض معتقدین
و موافقین کو ابتک ان اعتراضوں کا علم نہ ہو اور اسلئے وہ معتقد ہوں اور اگر علم ہو جاتا تو
معتقد نہ رہتے تو گویا زمانۂ بقاء عقیدت تک وہ دھوکہ میں رہے اور مسلمانوں کو دھوکہ
سے بچانا ضروری ہے جیسا کسی تاجر کے سودے میں کوئی کھوٹ ہو تو ظاہر کر دینا ضروری
ہے ..... لہذا مناسب معلوم ہوا کہ چند ایسے اعتراضات کو نقل کر کے اپنے نزدیک
جو ان کی حقیقت ہے اسکو بھی لکھدیا جاوے تاکہ دیکھنے والے دونوں کو دیکھ لیں پھر جس کا
جی چاہے احقر سے تعلق پیدا کرے یا رکھے اور جس کا جی چاہے تعلق نہ کرے یا نہ رکھے ضمناً
یہ بھی مصلحت ذہن میں آئی کہ بعض لوگ واقعی طالب حق ہوتے ہیں اور اصل قصہ معلوم نہ
ہونے یا اسکی حقیقت نہ سمجھنے سے تردد میں پڑ جاتے ہیں. اور وہ خلوص کے ساتھ تردد رفع
کرنا چاہتے ہیں، ایسوں کا تردد رفع کرنا ہدایت کا ایک شعبہ ہے جو کہ طاعت ہے سو
ساتھ ساتھ یہ طاعت بھی ادا ہو جاویگی. پس اس عجالہ مختصرہ میں ان مضامین کو اس

ترتیب سے لکھا جاویگا کہ اول ایک وہ مضمون جو مبنیٰ ہے اعتراض کا بعنوان حکایت لکھونگا پھر معترض کے اعتراض کو بعنوان شکایت نقل کروں گا۔ پھر اپنے نزدیک جو اسکی حقیقت واقعیہ ہے بعنوان درایت لکھکر ختم کر دوں گا .... اور بفضلہ تعالیٰ ان شبہات سے کوئی مفسدہ ہوا بھی نہیں، چنانچہ خطبہ کے آخری نوٹ ۱ میں مذکور ہے اور خود حاجت ہونا بھی مسلّم نہیں رفع شبہات و تصحیح اعمال وعقائد اعظم حاجت ہے مثلاً حکایت متضمنہ خواب مندرجہ رسالہ صفر حکایت سوم میں وجہ حاجت نہایت ظاہر ہے کہ اگر کسی اہل حال کو ایسا امر پیش آوے تو وہ غلطی اعتقاد یا پریشانی و توہم مطرودیت سے بچا رہے اس سے وہ شبہ بھی دفع ہو گیا جو بعض خیرخواہوں کو جواب نہ دینے کے متعلق واقع ہوا کہ اپنے سے رفع تہمت کرنا سنت بھی تو ہے جیسا حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعۂ اعتکاف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ وجہ جواب ظاہر ہے کہ یہ سنت بھی اس امر میں ہے جو محل اشتباہ ہو اور جب یہ نہیں تو احتمالات غیر ناشی عن دلیل کا کہاں تک انسداد کیا جاوے .... مجھکو اسوقت اپنی تین حالتیں پیش نظر ہیں، ایک محبین کی ملامت اور مخالفین کا اعتراض دوسرے ان سب اعتراضوں کو جن کو دوسرا عیب جو مدتوں میں چھانٹتا از خود ایک جگہ جمع کر دینا تیسرے اس جمع کرنے میں یہ نیت کہ جس کا جی چاہے تعلق رکھے جس کا جی چاہے نہ رکھے۔ ان تینوں حالتوں پر تین شعر بیساختہ ذہن میں آئے ہیں، اول کے متعلق مومن خاں کا یہ شعر ؎

دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ ؎ کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں

ثانی کے متعلق اسی غزل کا دوسرا شعر ؎

میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات ؎ ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں

ثالث کے متعلق غالب کا شعر بتصرف یسیر ؎

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی ؎ جسکو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد۔ قل یجمع بیننا ربنا ثم یفتح بیننا بالحق وھو الفتاح العلیم

نوٹ (۱) ممکن ہے کہ ان مضامین کی تحریر یا تدوین میں کوئی عمل کسی مناسب رائے کے خلاف واقع ہو گیا ہو مگر بحمد اللہ دین کے خلاف کچھ نہیں ہے رہا ان مضامین سے جو کچھ تشویش عوام میں

ہوئی اسکا حاصل مجھکو سب وشتم کرنا تھا بحمد اللہ کسی مقصود دینی میں کوئی اختلال واقع نہیں ہوا سو اپنے سب وشتم کو بامید عفو حق سب کو معاف کرتا ہوں۔ نوٹ (۲) بندہ نے آئندہ کے لئے ایک کافی جماعت اہل علم و دیانت کی اس کام کیلئے مخصوص کر دی ہے کہ میری تمام تحریرات کو نظر تنقید سے دیکھ لیا کرے جو انکی رائے میں قابل اشاعت نہ ہوں انکو یا حذف کر دیں یا ان پر نشان بنا دیں تاکہ انکو کوئی شائع نہ کرے، باقی اگر کوئی خاص مکتوب الیہ کسی خاص مضمون کا جواب بطور خود بدون یہاں کے علم کے شائع کر دے تو وہ اختیار سے خارج ہے، اب اگر کوئی مضمون جو ناظرین کے نزدیک موہم ہو یہاں سے شائع ہو تو اس کے متعلق خط و کتابت بجائے میرے بنام جماعت انتخاب التالیفات بہ نشان تھانہ بھون فرمانا مناسب ہے۔ نوٹ (۳) جسطرح ترجیح الراجح کا سلسلہ شبہات محتمل الصحت کیلئے جاری ہے ایسا ہی اگر موقع ہوا تو شبہات غیر محتمل الصحت کیلئے اس حکایات الشکایات کا بھی سلسلہ جاری رہنا محتمل ہے۔ والامر کلہ بید اللہ۔ نوٹ (۴) اسوقت ایسے شبہات چھ ہیں تین مخالفین کی طرف سے تین احباب کی طرف سے جن میں دو اوسط کے مجھ پر زیادہ شاق ہوئے ہیں جن کے شاق ہونیکی وجہ درایت متعلقہ حکایت (۴) میں مرقوم ہے۔

کتبہ اشرفعلی تھانوی عفی عنہ آخر جمادی الاولی سنہ ۱۳۳۶ھ۔

اس کے بعد جامع مذکور نے حکایت (۴) کے متعلق ذکر فرمایا ہے وہ الامداد بابت ماہ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۳۶ھ میں حسب ذیل مذکور ہے۔ حکایت (۴) ایک شخص کا خواب مع تعبیر جو بعنوان سوال و جواب ذیل میں منقول ہے۔ (سوال) ۱۴ جمادی الاخری روز جمعہ بوقت شب خواب میں احقر نے حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپنے فرمایا کہ شاہ...... صاحب مولانا...... صاحب شیخ کامل ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکے نام میں مولوی...... کہکے سکوت فرمایا بعد کو غالباً دو منٹ سکوت فرماکے لفظ صاحب کہا اور شاہ...... صاحب صاف فرما گئے بیچ میں سکوت نہ کیا نہ معلوم وجہ سکوت کیا ہے جو کچھ تعبیر ہو مطلع فرمایا جاوے۔

الجواب عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مضطجعا فی بیتہ کاشفا عن فخذیہ او ساقیہ فاستاذن ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ فاذن لہ وھو علی تلک الحال فتحدث ثم استاذن عمر رضہ فاذن لہ وھو کذلک فتحدث ثم استاذن عثمان رضہ فجلس رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم وسوی ثیابہ الی قولہ قال ان عثمان رجل حیی وانی خشیت ان اذنت لہ علی تلک لحالۃ ان لایبلغ الی فی حاجتہ رواہ مسلم (مشکوۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرز تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ پر صفت حیا و لحاظ کے غلبہ سے آپ نے ان کے ساتھ برتاؤ کا لحاظ کیا اور شیخین کے ساتھ بے تکلفی کا برتاؤ کیا اور لفظ صاحب ہمارے محاورہ میں لحاظ کے موقعہ پر بولا جاتا ہے۔ سو جن صاحب کے نام کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے لفظ صاحب فرمایا ہے ان میں اس شان عثمانی کا غلبہ مشاہد ہے اور جس کے نام کے ساتھ یہ لفظ فوراً نہیں فرمایا اس سے شیخین کا سا برتاؤ کیا اور پھر وقفہ کے بعد صاحب کا لفظ فرمانا یہ مخاطب کی رعایت مصلحت سے ہے کہ وہ خالی نام لینے سے بے وقعتی اس نام والے کی نہ کرے آگے اللہ کو معلوم ہے کیا راز ہے۔ بہتر یہ ہوتا کہ کسی ایسے شخص سے تعبیر پوچھی جاتی جو خواب کے تعلق والوں سے علیحدہ ہوتا۔ اور محقق بھی ہوتا والسلام مکرر یہ ہے کہ محض اس خواب کی بنا پر کسی کے کمالی وغیرہ کے معتقد نہوں کہ خواب حجت شرعیہ نہیں ہے۔ حالت بیداری میں جسکی حالت کو شریعت پر پورا منطبق دیکھیں اسکو کامل سمجھیں والسلام (شکایت) ایک صاحب کا خط آیا جو کہ بعینہ محفوظ نہیں مگر خلاصہ اس کا یہ تھا کہ اسکی یہ تعبیر نہیں بلکہ ایک نام کے ساتھ لفظ صاحب فوراً نہ کہنا اسوجہ سے ہے کہ اس نام کا مسمی ایک زمانے میں بعض مسائل میں اختلاف رکھتا تھا۔ اور یہ بھی لکھا تھا کہ یہ جو آخر جواب میں لکھا ہے یہ محض اس خواب کی بنا پر الخ اسمیں صاحب تعبیر نے دوسرے صاحب کی بزرگی پر حملہ کیا ہے۔ انتہی بخلاصتہ (ہدایت) یہاں سے جو جواب گیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہی تعبیر صحیح ہو جو آپ نے لکھی ہے مجھکو اپنی تعبیر پر کہ تعبیر ظنی ہوتی ہے اصرار نہیں اور حملہ کے مضمون کا حاشا وکلا میرے قلب میں وسوسہ بھی نہیں ایک قاعدہ کلیہ شرعیہ نفع طالبین کیلئے لکھدیا ہے کہ ہمیشہ ان کے کام آوے اھ اسی طرح ایک روایت مجھکو ایک ثقہ دلسوز سے بایں الفاظ پہنچی "سنا ہے کہ الامداد میں حضرت ..... قدس سرہ کی نسبت بھی کچھ ابہامات قابل طعن ہو گئے ہیں، میں خوب جانتا ہوں کہ حضرت کا دل استخفاف کے خطرہ سے بھی پاک ہے مگر سنتا ہوں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین و منتسبین کو گرانی ہو رہی ہے

اور دور دور تک نوبت پہونچ گئی ہے، میں نے تو خود الامداد دیکھا نہیں سنا ہے کہ حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کی کتاب الزہد کا تذکرہ اور اس پر حضرت ..... کا کوئی قول مذکور ہے اسی طرح یہ سنا ہے کہ مولوی ..... صاحب کا کوئی خط اور آپ کی طرف سے اس کا جواب الامداد میں طبع ہوا ہے اس کے عنوان میں کچھ ایسے الفاظ لکھے گئے ہیں جن سے مولانا ..... صاحب مدظلہ کی طرف بھی اشارہ ہے انتہی" اور واقعی یہ شکایتیں جو اس حکایت میں ہیں اسی طرح جو اس سے پہلی حکایت میں ہے مجھ پر سب سے زیادہ اشد و اشق اس لئے ہے کہ جس ذات مقدسہ کے ساتھ غلامی کی نسبت کو اولاً و بالذات اپنے ایمان کا مدار قطعاً اور جن اکابر کے ساتھ محبت و عقیدت کو ثانیاً و بالعرض اپنے کمال نجات میں مؤثر ظناً اعتقاد رکھوں نعوذ باللہ ان ہی کی شان مبارک میں مجھکو گستاخ بتایا جاوے اور گستاخی بھی وہ جسکی مجھکو خواب میں بھی ہوا نہ لگی ہو، حکایت سابقہ[1] کی درایت تو اوپر گذر چکی اور اس حکایت کی درایت کیلئے میری تقریرات و تحریرات کے غیر محدود و غیر معدود مضامین کافی ہیں، نمونہ کیلئے بعض اقل قلیل کا پتہ عرض کرتا ہوں ملاحظہ ہو النظہور ص ۴۵ اور رسالہ یادیاراں تمام اور الامداد بابت صفر ۱۳۳۶ھ ص ۲۹ اور ص ۳۰ اور ص ۳۱ جسمیں ان مذکورہ بالا مولوی صاحب کا بھی ایک کلام ضمناً مذکور ہے اور وعظ فوائد الصحبۃ در مجموعہ اشرف المواعظ کلاں[2] حصہ اول مطبوعہ ساڈھورہ ص ۵۴ اور ص ۵۵ اور تنبیہات وصیت میں فہرست صالحین للبیعۃ اور مسودہ وعظ فضل العابد بیان کردہ ربیع الثانی جسمیں شیخین کبیرین مصداق یکساں دونوں کی تفضیل بعض وجوہ سے حضرت شیخ العرب والعجم رحمۃ اللہ تعالیٰ

---

[1] خوان خلیل میں یہ حکایت آگے آرہی ہے۔ اور حکایات الشکایات میں وہ پہلے آچکی ہے اسلئے سابقہ فرمایا گیا ۱۲ ز

[2] یہ سلسلہ میرے والد محترم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے شروع کیا تھا، ہر ماہ ایک سو ساٹھ صفحات کا مجموعہ حضرت حکیم الامۃ کے مواعظ کا شائع فرماتے تھے۔ اور قیمت صرف چار آنے تھی جو اسکی پڑت سے بھی کم تھے۔ اور اس کے مستقل خریدار ماہوار رسالوں کی طرح سے سینکڑوں ہوگئے تھے۔ اور کلاں کا لفظ اس لئے بڑھایا گیا تھا کہ اس نام کا ایک مختصر سا وعظ حضرت حکیم الامۃ کا پہلے شائع ہو چکا تھا۔

پر منصوص ہے۔ اگر تتبع کیا جاوے تو بکثرت ایسے مقامات ملیں گے جن میں فضائل ان اجلہ کے مصرح ہیں، امام غزالی کی کتاب الزہد کے متعلق جس مضمون کا مجھ پر شبہ کیا گیا ہے مجھ کو اولاً دیکھ کر حیرت ہوگئی کہ اے اللہ یہ کیا قصہ ہے میں نے اپنے ذہن میں اس کا کوئی وجود نہیں پایا لیکن احتیاطاً اپنا کلام ٹٹولنا شروع کیا تو اتفاق سے وہ مقام مل گیا دیکھا تو اسمیں کسی بزرگ کا نام تک نہیں ہے صرف لفظ ایک شیخ لکھا ہے۔ معلوم نہیں کہ اسکی تفسیر کس دلیل سے خود کرلی گئی ہے میں نے بہت سوچا...... بہت پرانی بات ہے خوب محفوظ نہیں لیکن دو امر پر حلف کرتا ہوں ایک یہ کہ میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مضمون نہیں سنا کسی ایسے شخص سے سنا ہے جس کا مقصود اس قول سے اپنی کم ہمتی کے لیے ایک سہارا ڈھونڈنا ہے۔ مگر مجھ کو اس شخص کی تعیین یاد نہیں رہی، دوسرے اس پر حلف کرتا ہوں کہ مقصود اس سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر نکیر نہیں، باقی جس عنوان کا ذکر اس دلسوز کے کلام میں ہے اس عنوان کے الفاظ مجاز بیکے شیخ طریقۃ اوخوہ ہیں سو اول تو یہ الفاظ معلوم نہیں کہ کس کے ہیں لیکن جس کے بھی ہوں میرے ذہن میں جو اس کے معنی متبادر طور پر اولاً آئے وہ یہ ہیں کہ باوجود درجہ مجازیت کے بھی انسان سے لغزش ہوسکتی ہے تو اہل کمال کو بھی اپنی اصلاح سے غافل نہ ہونا چاہئے تو مجازیت اس درجہ کا عنوان ہے کہ نعوذ باللہ ان شیخ کی تنقیص کہ ایسے کو کیوں مجاز بنایا اسکی بہت سی نظیریں خود اپنے مجازین کے متعلق جابجا تحریرات میں منضبط ہیں چنانچہ اسوقت ایک موقعہ نظر کے سامنے بھی ہے الامداد بابت محرم ۱۳۳۶ھ ص ۲۱ کہ اس میں ایک صاحب پر جن کے مجاز ہونے کی عبارۃ میں بھی تصریح ہے کس قدر لتاڑ پڑی ہے۔ اس مقام پر ظاہر ہے کہ یہی مقصود ہے کہ مجاز ہو کر بھی بے فکر نہ ہونا چاہئے کہ اس حالت میں بھی خطائیں صادر ہوسکتی ہیں (سادا یت) احقر نے اس درایت کے مضمون کا خلاصہ اپنی جماعت کے بعض حضرات اکابر کی خدمت میں (جو لباس خلۃ احمدیہ سے پیراستہ ہیں) عرض کیا تھا اس کا جواب بخامہ عنایت جو ارشاد فرمایا اور اصاغر کو جس کی توقع اکابر سے ہوتی ہے اس کا خلاصہ

یہ ہے معلوم نہیں کہ لوگوں کو کیا مزہ آتا ہے کہ غلط روایتیں پہونچا کر اہل خیر کے قلوب کو دکھاتے ہیں۔ (یہ خط بعینہٖ خوان خلیل میں آچکا ہے اسلئے کُلاً لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی ۱۲ از)

ہر چند کہ اس تحریر کے بعد بوجہ حصول طمانیت کے اس مضمون درایت کی حاجت نہ رہتی، خصوصاً اسکے بعد جبکہ بفضلہ تعالیٰ مشافہۃً بھی ہر پہلو سے اطمینان اور ایقان حاصل دکامل ہو گیا لیکن دو خیال سے اسکو باقی رکھا گیا ایک یہ کہ بہت قریب احتمال ہے کہ بعض کو اس درایت کے مضمون کا علم نہ ہونیسے کچھ وساوس باقی رہتے دوسرے یہ کہ اس کے ضمن میں میرا اعتقاد جو اپنے اکابر کے ساتھ ہے اس کا علم میرے تمام متعلقین کو بھی صریحاً و مقصوداً ہو جاوے تاکہ مرورِ زمانہ پر بھی ان میں اسکا تغیر محتمل نہ رہے۔ فقط حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے الامداد محرم ۳۶ھ صـ۲۱ کا جو حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے۔ "ملفوظات ۲۲ ایک صاحب نے جو مولوی اور مجاز تھے ایک عریضہ لکھکر خدمت والا میں پیش کیا۔ جس میں یہ مضمون تھا کہ میں اپنے وطن جاتا ہوں اور وہاں فتنے بہت ہیں آپ کچھ فرما دیجئے تاکہ مجھے اطمینان ہو جاوے فرمایا کہ میں کیا کہدوں، ان صاحب نے اس کا جواب دینے میں گنجلک کی آپ نے فرمایا کہ صاف جواب دو اس تحریر کا کیا مقصود ہے اس کے بعد انھوں نے عرض کیا کہ کوئی ایسا لفظ کہد یجئے کہ حق تعالیٰ مددگار ہیں فرمایا کہ یہ تو ایسا امر ہے کہ میں اسکے دریافت کرنے میں آپکا حاجتمند ہوا اور آپ میرے کہنے سے پہلے اسکو جانتے ہیں پھر مجھ سے یہ لفظ کیوں کہلایا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ میرے سامنے سے دور ہو جاؤ تم کو بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں آیا، اگر دعا کرانی تھی تو صاف لفظوں میں کہا ہوتا کہ دعا کر دیجئے (اسکے بعد ایک صاحب نے ان صاحب کی سفارش کرنی شروع کی تو ان پر بھی تشاڑ پڑی الامداد میں مفصل موجود ہے) اور اس درایت کے درمیان میں الامداد بابت صفر ۳۶ھ صفحہ ۲۹۔۳۰۔۳۱ کا جو حوالہ دیا تھا اس میں حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہما کے تین قصے تفصیل سے ذکر فرمائے ہیں، اول قصہ اس مسئلہ میں ہے کہ مجھے اس میں تردد تھا کہ جمعہ کے بارے میں فقہاء نے قصبہ کو مصر کے حکم میں کیسے قرار دیا جبکہ حدیث میں صرف مصر کا لفظ ہے اور قصبہ شہر ہے نہیں پھر لفظ مصر قصبہ کو کیسے شامل ہوا۔ سو یہ تردد ایک حکایت سن کر رفع ہوا

وہ یہ کہ حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہ ایک مرتبہ ایام طالبعلمی میں گنگوہ کو آتے ہوئے قصبہ تیتروں کے برابر پہنچے تو کسی عامی سے پوچھا کہ یہ گاؤں کون ہے وہ گنوار بولا اے تو کون ہے شہر کو گاؤں کہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہر غیر گاؤں کو کہتے ہیں اور لغت میں قصبہ کا کوئی جدا نام نہیں اس میں دو ہی لغت مستعمل ہیں ایک قریہ اور ایک مصر........ مجھے یہ روایت پہنچی کہ حضرت گنگوہی کو بھی یہی تردد تھا مگر جب حضرت ایک قصبہ میں پہنچے جہاں لوگ آپ کو پہچانتے نہ تھے وہاں آپ نے دریافت کیا کہ یہ کونسا گاؤں ہے جواب ملا کہ تجھے سوجھتا نہیں یہ تو شہر ہے اسوقت حضرت کو بھی شفاء قلب ہو گئی کہ عوام قصبہ کو بھی شہر کہتے ہیں۔ دوسرا واقعہ حضرت نانوتوی کا لکھا ہے کہ اپنے صاحبزادے کے کپڑے کی گٹھڑی منگا کر دیکھی تو اس میں کپڑے کسی قدر تکلف کے تھے اور گٹھڑی جامدانی کی تھی۔ حضرت ان کو دیکھ کر بہت نفرت کے ساتھ سب کو پھینک رہے تھے اور زجر فرماتے تھے۔ حضرت بہت بڑے زاہد تھے۔ اس کے بعد تیسرا واقعہ حضرت گنگوہی کا یہ تحریر فرمایا کہ گنگوہ میں خانقاہ کی مسجد کو لوگوں نے تیار کرنا چاہا حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ نے لوگوں سے صاف کہہ دیا کہ بھائی میرے بھروسے کوئی کام نہ کرنا کہ میں چندہ وصول کرانے میں سعی کروں گا (طویل قصہ ہے)

۱۲ متعلقہ صنا حکایت ۳ ایک صالح ذی علم نے اپنی حالت باطنیہ لکھی تھی۔ یہاں سے اسکی تحقیق کی گئی تھی وہ ذیل میں منقول ہے۔ (سوال) اب وجہ اسکی عرض کرتا ہوں کہ بیعت ہونے کا خیال مجھکو کیوں ہوا اور حضور کی طرف کیوں رجوع کیا بیعت کا شوق صرف مطالعہ کتب تصوف سے اور حضور کی جانب رجوع اسلئے کہ ہمارے نانا صاحبان ...... لودھیانہ والوں سے حضور کے اعتقادات ملتے جلتے تھے اس سے یہ غرض نہیں کہ ہمارے نانا یا اور کوئی اپنے دادا وغیرہ علماء کے اعتقادات گو خراب ہی ہوں ان کو بلاوجہ ترجیح دیجاوے اصل غرض یہ ہے کہ حضور کے اور بندہ کے اعتقادات بالکل ایک ہیں، اور اگر مولوی صاحبان لودھیانوی اور حضور کے درمیان اگر کسی فرد عات میں اختلاف بھی ہو تو اس میں بھی جناب کی طرف رجوع کرتا ہوں (۲) اور حضور کی

تصنیف چند کتابیں زیر مطالعہ رہی ہیں، جن میں سے بہشتی زیور تو حرز جان ہے...
.... کچھ عرصہ کے بعد خواب دیکھتا ہوں کہ کلمہ شریف لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ
پڑھتا ہوں لیکن محمد رسول اللہ کی جگہ..... کا نام لیتا ہوں اتنے میں دل کے اندر
خیال پیدا ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی کلمہ شریف کے پڑھنے میں اسکو صحیح پڑھنا چاہیے
اس خیال سے دوبارہ کلمہ شریف پڑھتا ہوں، دل پر تو یہ ہے کہ صحیح پڑھا جاوے
لیکن زبان سے بے ساختہ بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے....
نکل جاتا ہے حالانکہ مجھ کو اس بات کا علم ہے کہ اس طرح درست نہیں لیکن
بے اختیار زبان سے یہی کلمہ نکلتا ہے، دو تین بار جب یہی صورۃ ہوئی تو حضور کو اپنے
سامنے دیکھتا ہوں اور بھی چند شخص حضور کے پاس تھے لیکن اتنے میں میری یہ حالت
ہوگئی کہ کھڑا کھڑا بوجہ اس کے کہ رقت طاری ہوگئی زمین پر گر گیا اور نہایت زور سے
ایک چیخ ماری اور مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ میرے اندر کوئی طاقت باقی نہیں رہی
اتنے میں بندہ خواب سے بیدار ہوگیا لیکن بدن میں بدستور بیحسی تھی اور وہ اثر
ناطاقتی بدستور تھا لیکن حالت خواب اور بیداری میں حضور کا خیال تھا لیکن
حالت بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پر جب خیال آیا تو اس بات کا ارادہ ہوا
کہ اس خیال کو دل سے دور کیا جاوے اسواسطے کہ پھر کوئی ایسی غلطی نہ ہوجاوے
بایں خیال بندہ بیٹھ گیا اور پھر دوسری کروٹ لیٹ کر کلمہ شریف کی غلطی کی تدارک
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہوں لیکن پھر بھی یہی کہتا ہوں
اللھم صل علی سیدنا ونبینا ومولانا ...... حالانکہ اب بیدار ہوں خواب
نہیں لیکن بے اختیار ہوں مجبور ہوں، زبان اپنے قابو میں نہیں۔ اس روز ایسا
ہی کچھ خیال رہا تو دوسرے روز بیداری میں رقت رہی خوب رویا۔ اور بھی
بہت سے وجوہات ہیں جو حضور کے ساتھ باعث محبت ہیں کہاں تک عرض کروں

(جواب) اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ
متبع سنت ہے۔ ۲۴ شوال ۱۳۳۵ھ یہ خواب اور اسکا مفصل جواب الامداد صفحہ ۹۳۶ میں مذکور ہے

شکایت مع درایت۔ اس واقعہ کے متعلق اور اس پر جو میرا جواب ہے اسکے متعلق جو کچھ شورش برپا ہوئی جس میں زیادہ حصہ بعض اخباروں نے لیا اس کا حاصل پانچ الزام ہیں، اول یہ کہ نعوذ باللہ مجیب نے دعوی نبوت کا کیا استغفر اللہ نعوذ باللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ دوسرے یہ کہ صاحب واقعہ پر زجر و توبیخ اور اس کو استغفار کا امر نہیں کیا کیونکہ یہ وسوسہ شیطانی تھا یا کم از کم یہ واقعہ طبیعت پر گراں کیوں نہیں ہوا۔ تیسرے یہ کہ جب یہ وسوسہ شیطانی تھا تو اسکو حالت محمودہ کیوں سمجھا گیا جیسا کہ اسکی تعبیر سے معلوم ہوتا ہے، چوتھے یہ کہ صاحب واقعہ کو تجدید ایمان و تجدید نکاح کا حکم کیوں نہیں دیا۔ پانچویں یہ کہ اس تحریر کو شائع کیوں کیا گیا جس سے اتنا مفسدہ ہوا۔ الزام اول کا افترا و بہتان عظیم ہونا اس قدر ظاہر ہے کہ بجز اسکے کہ اس آیت مبارکہ کی تلاوت کر دوں اور زیادہ جواب دیتے ہوئے بھی غیرت آتی ہے۔ آیۃ ان الذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بہتانا واثما مبینا کیونکہ عبارت جواب میں اول سے آخر تک ایک لفظ بھی اس دعوی پر دلالت نہیں کرتا بلکہ جواب میں لفظ متبع سنت خود اعتراف ہے کہ مجیب کو حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ساتھ غلامی کی نسبت ہے۔ پس اس الزام والوں کے لئے آیت موصوفہ کی دعید ہی کافی ہے۔ مگر چونکہ دنیا میں ایسے بھی غبی ہیں کہ وہ اس سے زیادہ واضح جواب کے محتاج ہیں اس لئے اتنا اور عرض کرتا ہوں کہ غور کرنا چاہیئے کہ اگر یہی واقعہ اس زمانہ کے مشہور مدعی نبوت کے سامنے پیش ہوتا تو کیا وہ اس کا یہی جواب دیتا جو احقر نے دیا ہے۔ ہرگز نہیں، بلکہ وہ تو یوں کہتا کہ تمہارا مجھکو رسول نہ سمجھنا اور اس بنا پر ان الفاظ کو غلط جان کر فکر تدارک کرنا تمہاری غلطی ہے اور میں واقع میں رسول ہوں اور یہ کہتا کہ اس سے بڑھ کر میری رسالت کی کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ کہ تم باوجودیکہ میری رسالت کا اقرار کرنا نہیں چاہتے مگر خدا تعالی تم سے جبراً اس کا اقرار کراتا ہے۔ انتہی۔ اب موازنہ کر کے بتایئے کہ احقر کے جواب میں

نعوذ باللہ دعوی تو در کنار کہیں اس کا شبہ بھی ہے حاشا وکلا۔ اگر یہ قصداً افترا نہیں بلکہ بدفہمی ہے تو اگر اس کی کوئی بنا بھی ہے جیسے بعض کا قول سنا گیا ہے کہ صاحبِ واقعہ کے اس مضمون کے نقل کرنے پر رد نہ کرنا اس مضمون کی تقریر ہے تو موٹی بات ہے جب صاحب واقعہ خود ہی اس مضمون کے رد و ابطال کو بھی نقل کر رہا ہے تو پھر مجیب کو اس کی کیا حاجت رہی تو مجیب کا سکوت فی الواقع اس صاحب واقعہ کے اس رد و ابطال کی تقریر ہے۔ نہ کہ اس مضمون کی پھر یہ بنا رکیا چیز رہی اور اگر بلا کسی بنا رکے یہ بدفہمی ہے تو بس اس آیت کا مصداق ہے آیۃ فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور اللہ تعالی فہم و تدین عطا فرمائے۔ غرض اس الزام کا منشا تو جہل محض یا عناد بحت ہے۔ رہے بقیہ الزامات سو اصل یہ ہے کہ اس واقعہ کے دو جزو ہیں، ایک خواب کا ایک بیداری کا سو ظاہر ہے کہ حصۂ خواب میں وہ بالیقین و بالاجماع مکلف تو ہے نہیں مگر تاہم اس میں فی نفسہ چند احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ خواب گو صورتاً منکر و قبیح ہے مگر نظر بر صلاح حال صاحب رؤیا تعبیر اسکی اچھی ہو چونکہ صاحب رؤیا کی حالت کو تعبیر میں دخل ہوتا ہے جیسا حدیث میں قصہ آیا ہے کہ ام فضل نے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں یہ خواب عرض کیا کان قطعۃ من جسدک قطعت ووضعت فی حجری اور ساتھ ہی یہ عرض کیا تھا رأیت حلما منکرا اللیلۃ مگر آپ نے یہ فرمایا کہ رأیت خیراً اور پھر ایک اچھی تعبیر دی۔ (مشکوۃ باب مناقب اہل البیت) حالانکہ ظاہراً گیا بے ادبی کا واقعہ دیکھا اور جیسا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خواب دیکھا انہ اتی قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنبشہ فاخبر استاذہ وکان ابوحنیفۃ صبیا بالمکتب فقال لہ استاذہ ان صدقت رؤیاک یا ولد فانک تقتفی اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتنبش عن شریعتہ فکان کما عبر الاستاذ۔ (رسالہ تعبیر الرؤیا کشوری صہ ۳) اسی طرح علامہ خطیب نے اپنی تاریخ میں بتغییر بعض الفاظ یہ واقعہ

درج فرمایا ہے (من رسالہ بعض الاحباب) دیکھئے یہ خواب ظاہراً کیسا موحش تھا لیکن تعبیر کیسی تسلی بخش بتلائی گئی، دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ خواب شیطانی ہو اور اسکی تعبیر اچھی نہ ہو سو احقر کا ذہن جواب لکھنے کے وقت اس احتمال اول کے طرف گیا اور گو میں صاحب واقعہ کو نہ پہچانتا ہوں نہ جانتا ہوں کیونکہ نہ وہ میرا مرید ہے نہ کچھ خط وکتابت یا تعلیم وتلقین کا کوئی تعلق مجھکو یاد ہے مگر بعض قرائن قصبہ نے میرے قلب نے اس کے صلاح کی شہادت دی جن میں بڑا قرینہ غلط کلمات کے نکلنے سے اس کا خواب میں بھی پریشان ہونا اور اسکے تدارک کی کوشش کرنا ہے کیونکہ خواب میں آدمی مکلف نہیں ہوتا مگر باوجود عدم تکلیف کی حالت میں ہونیکے امر ونہی کا ایسا اہتمام ہونا بین دلیل ہے صاحب رویا کے ایمان قوی وصلاح کی پس اسی صلاح وتدین کی بناء پر میں نے اس کی ایک اچھی تعبیر لکھدی اور اس وقت وجہ مناسبت کا نہ لکھنا ایک تو اس لئے تھا کہ میں اسکو اپنے نزدیک خفی نہیں سمجھا دوسرے اس لئے کہ مخاطب میرے گمان میں صاحب علم یا صاحب فہم تھا اسکی حاجت نہ سمجھی تیسرے تعبیر کیساتھ وجہ مناسبت لکھنا ضروری بھی نہیں جیسا حکم شرعی کے ساتھ دلیل لکھنا ضروری نہیں، مگر اب تبرعاً وجہ مناسبت بھی لکھتا ہوں اور وہ یہ کہ بعض اوقات خواب میں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دل بھی گواہی دیتا ہے کہ حضور ہی ہیں لیکن زیارت کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ شکل کسی اور شخص کی ہے تو وہاں اہل تعبیر یہی کہتے ہیں کہ یہ اشارہ ہے اس شخص کے متبع سنت ہونیکی طرف پس جسطرح یہاں بجائے شکل نبوی کے دوسری شکل مرئی ہونے کی تعبیر اتباع سے دیگئی۔ اسی طرح بجائے اسم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرا اسم ملفوظ ہونیکی تعبیر اگر اس اتباع سے دی جائے تو اس میں کیا محذور شرعی لازم آگیا نیز مناسبت کی تقریر علمی اصطلاح کے موافق یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تشبیہ بلیغ میں اداۃ تشبیہ حذف کردیا جاتا ہے جیسے ابو یوسف ابو حنیفہ اور تعبیر کے لئے ادنی مناسبت بھی کافی ہے۔ باقی مجھکو اس پر اصرار نہیں اگر یہ خواب شیطانی ہو یا کسی مرض دماغی سے ناشی ہوا ہو اور اسکی یہ

تعبیر نہ ہو یہ بھی ممکن ہے لیکن غلط تعبیر دیدینا ایک وجدان کی غلطی ہوگی جس پر کوئی الزام نہیں ہوسکتا. یہ تو کلام تھا حصہ خواب کے متعلق، اب رہا حصہ بیداری کا جسمیں غلط کلمات نکل رہے ہیں سو صاحب واقعہ تصریحاً کہتا ہے کہ میں بقصد تلافی کلمات خواب کے صحیح کلمات ادا کرنا چاہتا ہوں مگر بلا اس کے اختیار اور قصد کے پھر بھی غلط ہی نکلتے ہیں سو چونکہ کوئی دلیل شرعی یا عقلی اس شخص کی تکذیب پر اور اس حالت کے امتناع پر قائم نہیں گو کثیر الوقوع نہیں لیکن اتنی قلیل بھی نہیں کہ عدیم النظیر کہا جاوے غرض جب ایسا ممکن ہے تو اس شخص کی اس جزء میں بھی تصدیق کیجاویگی. پس اسکی تصدیق کی بنا ر پر اس میں بھی چند احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ حالت بقیہ اثر ہو اس حالت خواب کا گو دونوں میں یہ تفاوت ہوگا کہ حالت خواب میں شعور و اختیار دونوں منفی ہوتے ہیں اور اس بیداری میں صرف اختیار منفی ہو شعور منفی نہ ہو جیسا بعض اوقات آدمی کچھ ہذیان بکتا ہے اور بیدار ہو کر بھی تھوڑی دیر تک ایسا مغلوب رہتا ہے کہ وہی بکتا رہتا ہے اور مدار انتفاء تکلیف کا عدم اختیار پر ہے اگرچہ بقاء شعور کے ساتھ ہو، دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس پر کسی کیفیت باطنیہ کا غلبہ ہو سو واقعی اس کا مضمون پڑھکر جو میرے قلب پر اثر ہوا اس اثر سے میرا وجدان انہی دو احتمالوں کی طرف علی سبیل التردد گیا اور دونوں احتمالوں پر ایسی حالت مثل خواب کے قابل تعبیر و تاویل ہوتی ہے اس لئے میں نے اپنے جواب کو اس حالت کی بھی تعبیر مشترک قرار دیا باقی مجھکو اس پر بھی اصرار نہیں کیونکہ اس میں تیسرا چوتھا احتمال اور بھی ہے وہ یہ کہ اس حالت کا سبب کوئی آفت دماغ یا لسان میں ہو یا یہ کہ یہ شیطانی تصرف ہو کہ جس طرح وہ قلب میں وسوسہ ڈالتا ہے زبان پر ان کلمات کا القاء کر دیا ہو، لیکن ہر حال میں بہ تقدیر نفی اختیار و قصد میں مصدق ہونے کے وہ نہ کافر ہے نہ عاصی ہے بلکہ تیسرے احتمال پر تو یعنی جبکہ اس کا سبب کوئی آفت یا مرض ہو یہ حالت مذموم و اثر شیطانی بھی نہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حقتعالی کی فرح بالتوبہ کی مثال میں ایک شخص کی حکایت بیان فرمائی جس نے شدت فرح میں یہ کہدیا تھا؟ اللھم انت عبدی وانا ربک حالانکہ فی نفسہ یہ کلمہ کفر ہے

مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو نقل فرما کر اس پر انکار نہیں فرمایا بلکہ صرف اتنا فرمایا
کہ اخطأ من شدۃ الفرح جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آفت فی اللسان کی حالت
نہ مذموم ہے نہ اثر شیطانی ہے اور نہ حق تعالیٰ کی فرح محمود کی تشبیہ فرح مذموم شیطانی
کے ساتھ لازم آتی ہے وہو باطل اور یہی حکم ہے آفت فی الدماغ کا بل بالاولی لانہ مرض
وقال اللہ تعالیٰ ولا علی المریض حرج اور اس حدیث مثال تائب سے یہ
بھی معلوم ہوا کہ کلمہ غیر صحیحہ پر ہر حالت میں گرانی ہونا ضروری نہیں اور ایک اعرابی
نے جو آپ کے سامنے کہدیا تھا کہ ہم حق تعالیٰ کو آپکے سامنے شفیع لاتے ہیں تو آپ پر
بیحد گرانی ہوئی تھی کیونکہ وہ تکلم بالقصد تھا گو جہل سے تھا اور یہاں بلا قصد قافہم
اور واقعہ زیر بحث میں تو بلا قصد سے بھی زیادہ یعنی مع قصد و اہتمام تکلم بکلمہ صحیحہ ایک
غلط کلمہ نکلا تو وہ بدرجۂ اولیٰ عدم گرانی کا مستحق ہوگا اور چوتھے احتمال پر گو یہ سبب
عن الشیطان ہو مگر معصیت پھر بھی نہیں۔ جیسا کہ قلب کے وسوسہ کا حکم ہے اور جامع
دونوں میں عدم قصد و عدم اعتقاد ہے، اور وسوسہ کا یہ حکم یعنی عدم معصیت
احادیث میں منصوص ہے بلکہ باوجود وسوسہ کے مذموم ہونے کے اس کے بلا قصد آنیکو
علامات ایمان میں سے فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے انا نجد
فی انفسنا ما یتعاظم الخ کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا او جدتموہ
کے بعد ذاک صریح الایمان ارشاد فرمانا (کما فی المشکوۃ عن الصحیحین) صریح دلیل
ہے اسکی اور بعض احادیث وسوسہ میں جو استعاذہ کا امر فرمایا ہے یہ دلیل نہیں
اسکے معصیت ہونیکی ہاں لفظ استغفار سے اس دلالت کی گنجائش ہوسکتی تھی چنانچہ
معصیت نہ ہونا مجمع علیہ ہے اور یہ استعاذہ خواہ لفظاً ہو یا معنیً چنانچہ بعض احادیث
میں وہ مذکور بھی نہیں صرف معنی پر اکتفار فرمایا گیا یعنی اسکو برا سمجھنا اور دفع کی کوشش
کرنا جیسا واقعہ زیر بحث میں بھی ایسا کرنا مذکور ہے ونعم ما قال العارف الرومی ؎

ترک استثنا مرادم قسوتے ست ٭ نے ہمی گفتن کہ عارض حالتے ست
اے بسا ناوردہ استثنا بگفت ٭ جان او با جان استثنا ست جفت

بہر حال تیسرے اور چوتھے احتمال میں بھی معصیت لازم نہیں اور اگر تیسری حالت کے معصیت ہونے کا اس سے شبہ ہو جائے کہ حدیث میں ہے من قال باللات والعزی فلیقل لا الٰہ الا اللہ جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ سبق لسان بھی اس درجہ کی معصیت ہے کہ تجدید ایمان کی ضرورت ہے تو سمجھنا چاہیے یہاں ذکر اس شخص کا ہے جس کو پہلے سے عادت کفر بکنے کی تھی پھر بھی اس امر بالتدارک کا سبب خود اس سبق لسان کا فی نفسہ معصیت ہونا نہیں بلکہ اس کے منشا یعنی عادت سابقہ اختیاریہ کا مذموم ہونا ہے اور تدارک جو اس کا لا الٰہ الا اللہ سے کیا گیا ہے سو مقصود اسکا اظہار بقاء ایمان سابق یعنی اظہار عدم زوال ایمان سابق ہے نہ کہ احداث ایمان جدید بعد زوال السابق سو اس سے وجوب تجدید پر بھی استدلال نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ کہ اس صاحب واقعہ کی تصدیق کی بنا پر متعدد احتمالات مذکورہ میں سے جو احتمال بھی لیا جاوے ان سب میں اتنا تو امر مشترک ہے کہ یہ شخص نہ کافر ہوا نہ عاصی پس اس سے الزام ثانی و ثالث بھی مرتفع ہو گیا۔ ثانی تو اس لئے کہ یہ شخص جب نہ کافر ہے نہ عاصی تو پھر زجر و توبیخ کی کیا وجہ اور گرانی کا جواب اوپر بضمن تقریر حدیث مثال تائب ہو چکا ہے ورنہ یہاں تو شب و روز مشاہد ہے کہ اس سے اہون امور پر گرانی و زجر تو کیا سخت سے سخت دار و گیر کی جاتی ہے۔ تقریراً بھی تحریراً بھی اور ثالث اس لئے کہ اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے اول تو یہی متیقن نہیں کہ یہ وسوسۂ شیطانی تھا اور بر تقدیر تسلیم بھی غایت ما فی الباب میری ایک رائے کی غلطی ہوگی مگر ملامت تو پھر بھی نہیں ہو سکتی۔ رہا چوتھا

پانچواں الزام سو اوپر کی تقریر سے جب اس کا معذور عند اللہ ہونا ثابت ہو چکا تو واقعی جواب لکھنے کے وقت اس کی طرف درجہ وسوسہ تک میں بھی التفات نہیں ہوا کہ آیا یہ ظاہر احکام فقہیہ میں بھی معذور ہوگا یا کہ غیر معذور ہو کر مامور بہ تجدید الایمان یا بہ تجدید النکاح ہوگا اس لئے میں نے اس کے حکم فقہی سے جواب میں تعرض نہیں کیا تھا بلکہ جواب لکھنے کے مدتوں بعد تک بھی مجھ کو یہ احتمال نہیں ہوا کہ کوئی صاحب علم اسکو غیر معذور سمجھیں گے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ گو سب کی نہیں مگر بعض حضرات اکابر

کی رائے اس کے ظاہراً وقضاءً غیر معذور ہونیکی طرف ہے۔ اسوقت میں نے اس کے حکم فقہی کے اظہار کی ضرورت سمجھی اور چونکہ اس معاملہ کا بوجہ مجیب ہونے کے میرے ساتھ ایک گونہ تعلق تھا اور میری رائے اس میں نرم تھی اس لئے میں نے اپنے فتوے پر اعتماد کرنے کو خلاف احتیاط سمجھکر دوسرے حضرات سے فتاوی حاصل کئے جن کا اس مقام پر تو (بوجہ کم گنجائش ہونے کے بدون اپنی رائے کو دخل دیئے ہوئے) صرف خلاصہ بالفاظہا نقل کئے دیتا ہوں۔ بعد میں کسی موقعہ پر ان کو بعینہا مع ایک مفصل تحریر ایک صاحب[۵] علم کے مرتب کرکے اگر کوئی صاحب شائع کرنے کیلئے مانگیں گے دیدیئے جاویں گے، پس ان میں سے سہارنپور کے فتوے کا حاصل یہ ہے کہ "صاحب واقعہ کا حادثہ ذوجہتین ہے، ایک جہت وہ ہے جس سے فیمابینہ وبین اللہ تعالیٰ اسکو مومن قرار دیا جاتا ہے۔ دوسری جہت ظاہر اطلاق کلمۃ الکفر کی ہے کہ جب پر اسکو مامور بہ تجدید الایمان والنکاح احتیاطاً کیا جاتا ہے اس صورت میں فیمابینہ وبین اللہ تعالیٰ نکاح اول بحالہٖ باقی ہے۔ لہذا اسکی زوجہ کو جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے یا تجدید نکاح سے انکار کرے"۔ انتہی۔ اور دیوبند کے فتوے کا حاصل یہ ہے کہ اس کو معذور کہتے ہیں اور حکم کفر وارتداد نہ کرنے میں کچھ تردد نہیں ہے اور جبکہ حکم کفر وارتداد اس پر صحیح نہیں ہے تو حکم بینونت زوجہ بھی متفرع نہ ہوگا۔ استحباباً تجدید کرلینا مبحث سے خارج ہے لیکن ضروری کہنا خلاف ظاہر ہے"۔ اور اس دوسرے فتوے کی ایک تصدیق کا حاصل یہ ہے کہ "عدم تکفیر اس قائل کی بحسب بیان اس کے کہ بلا اختیار اس سے یہ کلمہ صادر ہوا دیانۃً متفق علیہ ہے، البتہ زوجہ اسکی اگر تصدیق نہ کرے تو غایت یہ کہ زوجہ اس کو حلف دے" اور دہلی کے فتوے کا حاصل یہ ہے کہ "جب صاحب واقعہ نے اپنے اختیار اور ارادہ سے الفاظ مذکورہ نہیں کہے ہیں تو وہ بالاتفاق

عہ[۵] ان صاحب علم کی تحریر بھی حضرت حکیم الامۃ نے حسب وعدہ شائع کردی ہے جو شوال ۱۳۳۶ھ کے الامداد میں ۶۳ صفحے میں ہے ۱۲ ز

مرتد نہیں ہوا۔ اور چونکہ ان الفاظ کا اس کی زبان سے صدور خطأً ہوا ہے اور اس صورت میں اتفاقا کفر عائد نہیں ہوتا۔ اس لئے اسکو تجدید نکاح یا تجدید ایمان کا حکم بھی نہیں کیا جائیگا احتیاطا تجدید کر لینا بحث سے خارج ہے اسکی منکوحہ قطعا اس کے نکاح میں ہے اور اسے ہرگز دوسرا نکاح جائز نہیں اگر اس کی یہ حالت بیخودی و بے اختیاری معروف ہو جب تو حکم قضاء و دیانت میں کوئی فرق ہی نہیں۔ اور اگر یہ حالت معروف نہ ہو تاہم بوجوہ مذکورہ بالا قضاءً بھی بلا قسم یا زیادہ سے زیادہ قسم کے ساتھ تصدیق کی جائیگی۔ انتہت۔ اور اصل مدعی میں یہ سب فتوے متحد ہیں یعنی ۱: عدم حکم بالارتداد ۲: بقاء نکاح زوجہ ۳: عدم جواز نکاح زوجہ بالزوج الثانی۔ اور جو امور زائد علی اصل المدعی ہیں مثلاً امر بہ تجدید نکاح و ایمان احتیاطا ان میں گو نہ اختلاف یہ معتد بہ اختلاف نہیں۔ پس ان فتووں کے باہم متخالف ہونیکا شبہ نہ کیا جائے۔ اب میں اس باب میں علماء کی تحقیقات کو (جن میں بعض میرے اس شخص کو معذور سمجھنے کی بناء پر حکم فقہی سے تعرض کے ضروری نہ جاننے کی من کل الوجوہ مؤید ہیں) ظاہر کر کے سبکدوش ہوتا ہوں۔ اب علماء اپنی تحقیق سے اور عوام اپنے معتقد فیہ علماء کی تقلید سے اور اسی طرح صاحب واقعہ بھی ان فتووں کی تنقیح سے حکم فقہی معلوم فرمالیں۔ رہا پانچواں الزام سو واقعی میرے نزدیک یہ واقعہ اتنا ظاہر تھا کہ اس میں کسی ایسے شبہ کی گنجائش میرے ذہن میں نہ تھی اور کسی شبہ کی گنجائش نہ ہونے ہی کے سبب میں نے جواب مجمل کو کافی سمجھا تفصیل کی حاجت نہ سمجھی) تو اس حالت میں اسکی اشاعت میں کسی مفسدہ کا احتمال کیونکر ہو سکتا تھا اور جب اس کا احتمال نہ تھا تو گو اشاعت میں نے نہیں کی مگر اسکی اشاعت کو روکا بھی نہیں بالخصوص جبکہ اسکی اشاعت میں یہ فائدہ بھی سمجھتا تھا کہ اگر کسی کو ایسی حالت پیش آوے تو وہ تلبیس سے محفوظ رہ کر اپنے جان و ایمان کو بچا سکے اور ایسا ہی شخص اس فائدہ کی قدر بھی کر سکتا ہے ورنہ غیر صاحب حال کیا جانے بقول کسے ؎

اے تراخارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست ؛ حال شیرائے کہ شمشیر بلا بر سر خورند
یہ تھی حقیقت واقعہ کی راست راست بے کم و کاست۔ خلاصہ سب کا یہ ہے کہ بحمد اللہ نہ صاحب واقعہ نے اور نہ احقر نے نہ کسی کفر کا ارتکاب کیا نہ کسی معصیت کا۔ غایت مافی الباب بعض امور متعلقہ رائی میں رائے کا اختلاف محتمل ہو سکتا ہے جو کسی درجہ میں بھی محل ملامت نہیں ہے۔ مگر پھر بھی صمیم قلب سے کہتا ہوں اللھم اغفر لی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما علمت منی وما لم اعلم وما انت اعلم بہ منی وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد

۱۳ متعلقہ صنا یہ مضمون الامداد شوال ۱۳۳۶ھ کا حوالہ ہے وہ الامداد مذکور کے صفحہ ۳ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۶ پر ختم ہوا جسمیں فتوی سہارنپور حضرت سہارنپوری کی طرف سے اور فتوی دیوبند مفتی عزیز الرحمن صاحب اور فتوی دہلی مفتی کفایت اللہ صاحب کی طرف سے بہت تفصیلی ذکر کیے گئے ہیں۔ اور بہت طویل بحث اس سلسلہ میں کی گئی ہے اس سب کو تو یہاں نقل کرانا بہت دشوار ہے جس کو دیکھنا ہو اصل الامداد میں دیکھے اس میں ایک دوسرا خواب بھی ایک شخص کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی زیارت اور اس خواب کے متعلق حضرت تھانوی قدس سرہ سے سوال اور حضرت قدس سرہ کا جواب مع تفصیل و تعبیر نقل کیا گیا ہے مضمون تو بہت اہم ہے لیکن چونکہ خاص اہل علم سے متعلق ہے اور طویل بھی بہت ہے کہ ساٹھ صفحے کا ہے اس لئے یہاں نقل نہیں کیا گیا۔

۱۴ متعلق صلا یہ وعظ مدرسہ مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ جامع مسجد میں بروز یکشنبہ ۱۰ / جمادی الثانیہ ۱۳۳۶ھ میں ہوا جو ڈھائی گھنٹے تک مسلسل ہوا۔ یہ وعظ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی حال شیخ الاسلام پاکستان نے نقل کیا تھا۔ چار ہزار سے زائد مجمع تھا۔ وعظ تو ۴۴ صفحے کا ہے جس تمہید کا حضرت حکیم الامۃ نے خوان خلیل میں ذکر کیا ہے اس کو اس وعظ کے شروع میں مولانا ظفر احمد صاحب ناقل وعظ نے بھی ذکر کیا ہے تنبیہ :۔ جس سال یہ وعظ جلسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ہوا ہے اس سال

حضرت اقدس سیدی حکیم الامۃ دامت برکاتہم پر ایک شخص کے خواب کی وجہ سے عوام کالانعام نے زبان طعن بہت کچھ دراز کر رکھی تھی اخبارات میں بھی اس کا بہت کچھ شور و غوغا رہا اور یہ سنت اللہ ہے کہ قائم بالامر کے ساتھ اول اول بہت مخالفتیں عوام کی طرف سے ہوا کرتی ہیں مگر آخر میں سب کو گردنیں جھکانا پڑتی ہیں بہرحال جب جلسہ مذکورہ میں حضرت حکیم الامۃ تشریف لیگئے اور آپکا بیان ہونا قرار پایا تو بیان سے پہلے سیدی و مرشدی حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب دامت برکاتہم نے مولانا سے فرمایا کہ اس وقت بہت بڑا مجمع موجود ہے، اس کے بعد کی عبارت حضرت سہارنپوری کے اس ارشاد تک کہ جب آپ کو گوارا نہیں تو پھر کوئی ضرورت نہیں کے بعد مظاہر الاقوال کی تمہید میں یہ ہے۔ اس کے بعد حضرت حکیم الامۃ منبر پر تشریف لیگئے۔ اور بیان شروع فرمایا تو بیساختہ زبان پر وہ آیت آئی جو حضرت صدیقہ کی براءت میں حق تعالی نے نازل فرمائی ہے کہ ان کے متعلق بھی ایک افتراء و بہتان منافقوں نے تراشا تھا۔ جس میں کچھ مسلمان بھی ملوث ہو گئے تھے۔ حق تعالیٰ نے ان مسلمانوں کو جنھوں نے اس بہتان میں حصہ لیا تھا ان آیات میں سخت دھمکایا ہے۔ حضرت حکیم الامۃ نے اس آیت کو تلاوت فرما کر حفاظت لسان کی تاکید و ضرورت بیان فرمائی۔ بعد بیان کے فرماتے تھے کہ میں نے تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے ارشاد کو قبول نہ کیا تھا۔ مگر حق تعالی نے مولانا کی خواہش پوری کر دی کہ مولانا جو کچھ چاہتے تھے وہی بیان ہو گیا۔ یہ مولانا کی توجہ کا اثر تھا کہ میری زبان سے یہی مضمون بیان ہوا جس کی مولانا کے خیال میں ضرورت تھی اھ بمعناہ ۱۲ ظفر احمد۔ اسکے بعد وعظ شروع ہوا اور خطبہ مسنونہ کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اذ تلقونہ بالسنتکم و تقولون بافواھکم ما لیس لکم بہ علم و تحسبونہ ھینا و ھو عند اللہ عظیم

۱۵ متعلقہ صفحہ ۱۲۔ ذکر محمود جو النور جلد ۱ حصہ ۲ بابت ماہ جمادی الثانیہ ۱۳۲۹ھ میں یہ واقعہ اس طرح نقل کیا گیا ہے ذکر ۱۳۲ حضرت کے انصاف اور حق پرستی

اور رعایت دین کا نمونہ ایک قصہ سے واضح ہوتا ہے، ایک قصبہ میں ایک رئیس اور عالم کے یہاں جو اپنے ہی مجمع کے ہیں ایک تقریب تھی احقر بھی اس میں مدعو تھا اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی اور دیگر حضرات بھی وہاں پہونچکر معلوم ہوا کہ رسوم بدعت میں سے کوئی رسم وہاں نہیں اور کیونکر ہوتی جبکہ صاحب تقریب خود بدعت سے مانع تھے. مگر عام برادری کی دعوت تھی جس کو میں بنا بر تجربہ رسوم تفاخرہ میں سے سمجھتا ہوں، اور جن اکابر پر حسن ظن غالب ہے، وہ اس میں توسع فرماتے ہیں چنانچہ اسی تفاوت کا یہ اثر ہوا کہ میں، تو بلا شرکت واپس آگیا اور دیگر حضرات نے شرکت فرمائی. خود اپنے ہی مجمع میں اس کا مختلف عنوانوں سے بڑا غوغا ہوا. اور مجھ سے تو جب اس اختلاف کے متعلق کسی نے سوال کیا میں نے تو بزرگوں کی ادب کی رعایت ہی مد نظر رکھکر جواب دیا. مگر عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بھی جو بعض نے سوال کیا تو باوجودیکہ حضرت کے ذمہ اس احقر کی رعایت کی کون ضرورت تھی لیکن جو جواب عطا فرمایا اس میں جس درجہ رعایت ہے وہ قابل غور ہے. وہ جواب یہ تھا کہ واقعی بات یہ ہے کہ عوام کے مفاسد کی جس قدر فلاں شخص (یعنی احقر) کو اطلاع ہے ہم کو اطلاع نہیں اس لئے اس نے احتیاط کی. حقیقت یہ ہے کہ ع "بریں نکتہ گر جاں فشانم رواست". یہ جواب مجھ سے بعض ثقات نے نقل کیا فقط (از زکریا عفی عنہ) النور میں یہ واقعہ اتنا ہی چھپا ہے چونکہ یہ سیاہ کار بھی اس تقریب میں شریک تھا. اور اس سیہ کار کے سامنے ہی یہ شور و غوغا اور ہنگامہ برپا ہوا تھا. ایسے موقعوں پر عوام میں توچہ میگوئیاں خوب ہوا کرتی ہیں. اس لئے بعض نے تو شیخین پر اعتراض کیا کہ حضرت تھانوی کے یہاں جتنی باریک بینی ہے بڑوں بڑوں کے یہاں بھی نہیں، اور بعض نے حضرت تھانوی قدس سرہ نور اللہ مرقدہ پر اعتراضات کئے کہ اکابر کے ہوتے ہوئے بھی اپنے تقوے کا مظاہرہ کیا. یہ غسل ختنہ عزیزم مولوی حکیم طیب مرحوم رامپوری کا تھا. جن کے صاحبزادے الحاج مولوی حافظ عامر انصاری سلمہ مقیم دہلی مصنف رسالہ فضائل علم و مناقب علماء وغیرہ ہیں ان سے اکی

تاریخ پوچھی تھی انھوں نے لکھا کہ " والد مرحوم کے ختنہ کی تاریخ جیساکہ انھوں نے خود لکھائی تھی اور ان کی بیاض میں بھی موجود ہے ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ کو ختنہ ہوئی اور ۵ جمادی الاولی ۲۹ھ کو تقریب صحت ختنہ ہوئی " ان کے والد حضرت مولانا الحاج احمد صاحب قدس سرہ جن کے متعلق حضرت حکیم الامۃ نے ذکر محمود میں لکھا ہے کہ " کوئی رسم کیونکر ہوتی جب کہ صاحب تقریب خود ایک عالم بدعت سے مانع تھے " حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہ کے حدیث پاک کے شاگرد تھے اسی کے متعلق عزیزی مولوی عامر نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ " ۱۴ ر شوال ۱۳۰۳ھ کو دادا مرحوم بغرض تحصیل علم حدیث گنگوہ حضرت گنگوہی کی خدمت میں تشریف لیگئے اور تعلیمی سال کے بعد ۱۷ ر شعبان ۱۳۰۴ھ بعد تکمیل صحاح ستہ فارغ ہوئے فقط حضرت الحاج حافظ محمد ضامن صاحب تھانوی شہیدؒ کے اجل خلیفہ جناب الحاج حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوری کے بھتیجے تھے جس کی وجہ سے حضرت گنگوہی کے یہاں بھی خاص منظور نظر تھے اور اس کی وجہ سے حضرت گنگوہی کے اجل خلفاء سب ہی سے خصوصی تعلق تھا، اخیر تک دار العلوم دیوبند کے ممبر اور مدرسہ مظاہر علوم کے سرپرست رہے، حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے مشہور تحریک ریشمی خطوط کے خاص رازداروں اور مشیروں میں سے تھے۔ شوال ۱۳۳۳ھ میں جب حضرت شیخ الہند و حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہما حجاز تشریف لیگئے جس کی تفاصیل حضرت شیخ الہند و حضرت سہارنپوری کی سوانحوں میں مذکور ہے روانگی سے قبل مظاہر علوم کے کتب خانہ میں تقریباً ایک ہفتہ تک حضرت شیخ الہند و حضرت سہارنپوری اعلیٰ حضرت رائپوری شاہ عبد الرحیم صاحب اور یہی مولانا احمد صاحب مسلسل مشوروں میں شریک رہے صبح کو اشراق کے بعد چاشت سے فراغ پر یہ چاروں کتب خانہ میں تشریف لیجاتے اور اندر کی زنجیر لگا لیتے اور بارہ بجے کے قریب جب حضرت سہارنپوری قدس سرہ کے کارکن حاجی مقبول احمد صاحب بار بار تقاضہ کرتے کہ کھانا ٹھنڈا ہوگیا تو دیر تک تو جواب ہی نہ ملتا اور پھر بہت دیر کے بعد مولانا احمد صاحب کہتے کہ آرہے ہیں آرہے ہیں

اور ظہر کی اذان کے قریب یہ حضرات اترتے اور جلدی جلدی ٹھنڈا گرم کھانا نوش فرماتے اور پھر ظہر کی نماز کے بعد اوپر تشریف لیجاتے اور عصر کی اذان کے قریب اترتے جیساکہ میں آپ بیتی ۴ کے ص ۲۵ پر اس واقعہ کو ذکر کر چکا ہوں، مولانا حکیم احمد صاحب ہمارے اکابر کے یہاں بڑے مدبر ذی رائے سمجھے جاتے تھے۔ اہم مشوروں میں ان کی شرکت ضروری سمجھی جاتی تھی اسلئے دونوں مدرسوں کے ہمیشہ اہل شوریٰ میں داخل رہے۔ بڑے متقی تھے اور میرے چونکہ نانیہال کی طرف سے رشتہ دار بھی تھے اسلئے مجھپر شفقت بھی بہت فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مجھ سے میری ابتدائی مدرسی کے زمانے میں فرمانے لگے کہ مولوی زکریا! تمہارے ان مدرسوں سے کچھ آتا جاتا ہوا اسکو تو تم جانو ہم تو ایک بات جانیں کہ باپ داداؤں سے یہ سنتے آئے تھے کہ فلاں چیز نہیں کھانی، یہ نہیں کھانا وہ نہیں کھانا، تمہارے مدرسوں میں پڑھ کر یہ چیز جاتی رہتی ہے۔ جو چاہے کھلادو، زکوٰۃ کا کھلادو، صدقہ کا کھلادو، تیجہ کا کھلادو، مجھپر بہت ہی شفقت فرمایا کرتے تھے مجھے اپنے رامپور کے مدرسے کے لئے حضرت قدس سرہ سے کئی بار مانگا۔ مگر حضرت نے ہر مرتبہ یہ کہکر انکار فرمادیا کہ یہ تو مظاہر میں رہیگا۔ عزیز عامر نے لکھا ہے کہ دادا صاحب کی پیدائش ۲۰ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ قبیل صبح صادق ہوئی۔ محمد ظریف تاریخی نام ہے اور یہی بندہ کی تاریخ کبیر میں بھی ہے اس میں سنہ وفات اوائل ۱۳۴۲ھ تحریر ہے رامپور کے اپنے جدی قبرستان میں جناب الحاج حافظ محمد یوسف صاحب ابن جناب حضرت الحاج حافظ محمد ضامن صاحب شہید کے برابر میں دفن ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ واعلی اللہ مراتبہ۔

ف ۱۶ متعلقہ ص ۱۲ بھاولپور کے سفر کے متعلق ایک واقعہ اس ناکارہ کے بھی علم میں ہے۔ اور اس جام کو پڑھ کر بندہ کے ذہن میں آیا کہ غالباً وہ واقعہ بھی اسی سفر کا ہی جس کو میں لکھوا رہا ہوں، اور یاد پڑتا ہے کہ آپ بیتی میں اس واقعہ کو کہیں لکھوا بھی چکا ہوں کہ حضرت مولانا الحاج سر رحیم بخش صاحب سرپرست مدرسہ مظاہر علوم متوطن ٹھسکہ میرانجی ریاست بھاولپور کے وزیر تھے۔ اور نواب صاحب بھاولپور کے انتقال کے بعد چونکہ نوابزادہ ولی عہد کمسن تھے اس لئے یہ ان کے اتالیق کے طور پر ان کے بلوغ

تک نواب صاحب کے قائم مقام رہے اور سارے اختیارات ریاست کے ان ہی کے قبضہ میں تھے۔ اور چونکہ حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہ سے بیعت تھے اسلئے حضرت کے اجل خلفاء اربعہ اور حضرت حکیم الامۃ سے بہت خصوصی تعلق تھا اور ان کے اس خصوصی تعلق کی بناء پر ان حضرات اکابر کا ان کی درخواست پر بھاولپور کثرت سے تشریف لیجانا ہوا کرتا تھا بہت ہی خوبیوں کے آدمی تھے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کے متعلق علی میاں نے عزیز مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح کے باب اول ص۹۲ میں اس سیہ کار کا ذکر کرتے ہوئے اس ناکارہ کے متعلق دو ابتلاء لکھے جسمیں سے دوسرا اکبر نال میں مدرسی کے لئے اس ناکارہ پر وہاں کی مدرسی کے لئے زور دیا مرحوم کی کوئی سوانح بھی ان کے انتقال کے بعد لکھی گئی تھی۔ جو اس وقت یاد نہیں۔ باوجود نواب صاحب کی قائم مقامی کے ایسی سادہ زندگی گذارتے تھے کہ جب انگریزی درباروں میں وائسرائے وغیرہ یا وزیر ہند کی آمد پر کوئی دربار ہوتا تو وہ اس میں ضرور مدعو ہوا کرتے تھے اور ان کی کرسی نوابوں کی کرسی کے پاس ہی ہوتی تھی چونکہ سادہ لباس ہوا کرتا تھا اور بہت ہی سادہ اور ان کے ملازم ...... نہایت ہی خوش پوشاک کوٹ بھی ذریں قیمتی جسپر سنہرے بٹن بھی کثرت سے لگے ہوئے ہوتے تھے پیچھے پیچھے چلتا تھا۔ ساری درباری یہ سمجھتے کہ یہ ملازم تو وزیر صاحب ہیں اور ان کا چوبدار آگے آگے جارہا ہے لیکن جب دربار میں پہونچنے کے بعد یہ اپنی کرسی پر بیٹھتے اور ملازم چونری لیکر کرسی کے پیچھے کھڑا ہوتا جب لوگوں کو معلوم ہوتا کہ یہ وزیر صاحب ہیں اور یہ ان کے چوبدار۔ بڑی خوبیاں تھیں اپنی اس نوابی کے زمانے میں ریاست کے سارے کاروبار سے نمٹنے کے بعد اپنے والد کے جو ایک کسان تھے اور سارا لباس ان کا گوجروں جیسا ہوتا تھا ان کے پاؤں سارے عملہ اور سارے خدام کے سامنے دبایا کرتے تھے۔ اور جب ان اطراف میں آتے تو ان اکابر کے سامنے ایسا دو زانوں بیٹھتے جیسا کہ کوئی بہت ادنی خادم ہو۔ ان کے محاسن کے واسطے تو بڑا دفتر چاہیئے۔ ایکمرتبہ ان کی طلب پر حضرت اقدس سہارنپوری، حضرت شیخ الہند اور

حضرت حکیم الامۃ تینوں ساتھ ہی بھاولپور تشریف لیگئے اور ساتھ ہی واپس تشریف لائے
واپسی پر انھوں نے ہر سہ حضرات کی خدمت میں علی التساوی ایک گراں قدر ہدیہ پیش
کیا شیخین نے تو قبول کر لیا اور حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ نے یہ کہکر انکار کر دیا
کہ مجھے چونکہ اشراف نفس ہو گیا تھا اس لئے قبول سے معذوری ہے۔ اور ان دونوں
(حضرات (شیخین) کو ایسا نہیں ہوا ہوگا۔ مولانا رحیم بخش)
صاحبوں نے وہ رقم فوراً لیکر اپنی جیب میں رکھ لی اور اشارۃً بھی کوئی لفظ اس کے قبول
کرنے کے متعلق نہیں کہا۔ یہ سب حضرات ان سے رخصت ہو کر ریل میں سوار ہو گئے
مولانا رحیم بخش صاحب نے اپنے ایک ملازم کے ذریعہ حضرت حکیم الامۃ کی رقم ایک
لفافہ میں بند کر کے بھیجی اور اس میں ایک پرچہ لکھا کہ حضرت والا نے اشراف نفس کے احتمال
سے یہ ناچیز ہدیہ واپس فرما دیا تھا۔ اور اس خاکسار کو حضرت اقدس کی منشاء کے
خلاف مکرر درخواست کی جرأت نہیں ہوئی۔ لیکن اب تو حضرت واپس جا چکے
اور اشراف کا کوئی احتمال بھی نہیں رہا۔ اس لئے امید ہے کہ اس ناچیز ہدیہ کو قبول
فرما لیں گے۔ اور اگر اب بھی کوئی گرانی ہو تو حضرت کی طبع مبارک کے خلاف ذرا اصرار
نہیں۔ اس مضمون کا پرچہ لفافہ میں بند کر کے اس نوکر سے کہا کہ جب ۷-۸ اسٹیشن
گزر جائیں تو فلاں جنکشن پر یہ بند لفافہ حضرت کی خدمت میں پیش کر دینا اور پوچھ
لینا حضرت اگر کچھ جواب دیں تو لیتے آنا۔ ورنہ چلے آنا۔ چنانچہ حسب ہدایت ملازم
نے چند اسٹیشن جاکر وہ لفافہ پیش کیا اور حضرت نے پڑھا اور بہت ہی اظہار مسرت
کیا اور فرمایا کہ محبت خود طریقے سکھلا دیتی ہے۔ مجھے تو اس قصہ پر ہمیشہ ایک مصرع
یاد آتا ہے کہ ع "محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھا دیگی" بہر حال حضرت نے قبول
فرما کر تحریر فرمایا کہ خدا تعالیٰ آپکے فہم و ذکا میں ترقی عطا فرمائے واقعی اب مجھے کوئی
عذر نہیں" مولانا رحیم بخش صاحب کا اصل وطن ٹھسکہ میرانجی ضلع کرنال تھا
نواب صاحب کے بلوغ پر جب وہ خود با اختیار ہو گئے تو یہ بھاولپور سے پنشنر ہو کر
اپنے وطن ٹھسکہ تشریف لے آئے تھے۔ اور صرف ۱۹ گھنٹے بیمار رہ کر بوقت ۴ بجے
صبح شنبہ ۳۰ محرم ۱۳۵۴ھ مطابق ۴ مئی ۱۹۳۵ء بعمر ۷۶ سال عیسوی رحلت فرما گئے

انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم اغفرلہ ۱۳۰۴ھ میں ذی الحجہ کے پورے مہینے گنگوہ قطب عالم کی خدمت میں رہے اور بیعت سے مشرف ہوئے۔ اور واپسی پر حافظ علیم الدین گنگوہی کو جو اسوقت بچے تھے اپنے ساتھ ملازم بنا کر لیگئے۔ حافظ صاحب مرحوم بھی مولانا کے نہایت ہی وفادار خادم حضر وسفر کے حاضر باش، نہایت سادہ مزاج، مولانا مرحوم کے انتقال کے کئی سال بعد تک تھسکہ ہی میں رہے۔ اور گھر کا سارا مہمانوں وغیرہ کا انتظام حافظ صاحب مرحوم ہی کے ذمہ تھا۔ مولانا مرحوم کے انتقال سے چند سال پہلے انھوں نے اپنے ضعف کیوجہ سے اپنے بھتیجے کو بھی ملازم کر دیا تھا جو نہایت جوان فوجی آدمی معلوم ہوتا تھا اور پر جس خوش پوشاک ملازم کا ذکر کیا گیا وہ یہی دوسرے ملازم تھے۔ (تاریخ کبیر)

۱۷ متعلقہ ص۲ اس نوع کا ایک ارشاد حضرت حکیم الامۃ کا حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نور اللہ مرقدہ کے متعلق بھی ہے۔ جس کی تفصیل آپ بیتی ۴ میں حضرت حکیم الامۃ کے احوال میں گذر چکی ہے جو حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نور اللہ مرقدہ کی گرفتاری محرم ۱۳۶۱ھ کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا۔ علماء حقہ میں رائے کا اختلاف مذموم چیز نہیں بلکہ محمود ہے بڑی رحمت ہے بشرطیکہ خلاف نزاع مجادلہ کا ذریعہ نہ بنے۔ اس ناکارہ نے تو جب سے مشکوۃ شریف شروع کی تھی اسی وقت سے علماء کے اختلاف کو بالخصوص صحابہ کرام ائمہ مجتہدین کے اختلاف کو بڑی رحمت سمجھتا رہا ہے۔ یہ میرا طبعی ذوق ہے لیکن جب کتب حدیث میں حضرت عمر بن عبدالعزیز عمر ثانی رضی اللہ تعالی عنہما کا یہ مقولہ نظر سے گذرا کہ مجھے اس بات سے مسرت نہ ہوتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں اختلاف نہ ہوتا۔ اس لئے کہ ان میں اگر اختلاف نہ ہوتا تو گنجائش نہ رہتی۔ حدیث پاک کے پڑھانے کے درمیان میں ہمیشہ میں نے اسپر زور دیا کہ اہل حق کا اختلاف مبارک ہے مذموم نہیں۔ اب سے ۳۴ سال پہلے جبکہ حضرت حکیم الامۃ اور حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہما کے درمیان میں لیگ کانگریس کا اختلاف تھا۔ اس وقت شعبان ۱۳۵۷ھ میں اس ناکارہ کا ایک

رسالہ الاعتدال فی مراتب الرجال شائع ہوا تھا۔ جس کو میرے دونوں اکابر اور انکے مخصوص خدام نے بہت ہی پسند کیا تھا۔ بالخصوص حضرت اقدس مولانا الحاج الشاہ عبدالقادر صاحب نوراللہ اور میرے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نوراللہ مرقدہ کے شدید اصرار پر وہ رسالہ بہایت عجلت میں طبع کرایا گیا تھا۔ اور اس کے بعد سے ہند و پاک میں کئی مرتبہ طبع ہو کر فروخت اور تقسیم ہو چکا ہے۔ اسکے سوال ۷ کے جواب میں یہی مضمون بہت تفصیل سے لکھا گیا تھا۔ اور میرے حضرت شیخ الاسلام مدنی نوراللہ مرقدہ کے سفری بیگ میں تو یہ رسالہ مستقل رہتا تھا اور اسفار میں کبھی کبھی ملاحظہ بھی فرماتے رہتے تھے۔ میرے اکابر میں مسائل میں نہیں بلکہ طبائع میں بھی ہمیشہ اختلاف رہا۔ اور اس اختلاف پر ثمرات بھی بہت مختلف مرتب ہوتے رہے۔ حضرت اقدس شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ قدس سرہ کے یہاں رحمدلی دلداری کا بہت غلبہ تھا۔ حضرت تھانوی نے ایک ملفوظ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت حاجی صاحب تھانہ بھون میں اپنے مشاغل سے فارغ ہو کر دوپہر کے وقت قیلولہ کے لئے ایک مرتبہ لیٹے تو ایک صاحب تخلیہ کا وقت دیکھ کر آ بیٹھے۔ اور دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اور حضرت حاجی صاحب قدس سرہ پر نیند کا غلبہ آنکھیں بند ہوتی تھیں لیکن ان کی دلداری میں کچھ نہ فرمایا دوسرے دن پھر ایسا ہی ہوا کہ حضرت بیٹھے ان سے باتیں کرتے رہے۔ یہ صاحب یہ سمجھکر آئے تھے کہ تخلیہ کا وقت ہے تنہائی میں خوب توجہ ہوگی تو حضرت حافظ محمد ضامن صاحب نے اپنی جگہ سے للکار کران صاحب سے کہا کہ خود تو رات بھر بیوی کو بغل میں لئے پڑے سوتے رہتے ہو اور یہ بیچارے رات بھر اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں دوپہر کو تھوڑا سا وقت لیٹنے کو ملتا ہے تو تم لغویات میں وقت ضائع کر دیتے ہو۔ اگر اب سے اسوقت آئے تو ٹانگیں توڑ دوں گا۔ حافظ صاحب بہت تیز مزاج تھے کبھی حضرت حاجی صاحب کو بھی اور کبھی مولانا شیخ محمد صاحب کو بھی سنا دیتے تھے۔ ؎ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است"

اسی طرح حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ اور حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہ کے

مزاج میں بھی طبعی اختلاف تھا کہ حضرت نانوتوی کے یہاں دلداری کا مضمون بہت بڑھا ہوا تھا حضرت تھانوی نے اپنے ایک ملفوظ حسن العزیز جلد اول ص۴۹۵ میں یہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے پاس کوئی بیٹھا ہوا ہوتا تو اشراق اور چاشت بھی قضا کر دیتے تھے۔ مولانا رشید احمد صاحب کی اور شان تھی کوئی بیٹھا ہو جب وقت اشراق یا چاشت کا آیا وضو کر کے وہیں نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے یہ بھی نہیں کہ کچھ کہکر اٹھیں کہ میں نماز پڑھ لوں یا اٹھنے کی اجازت لیں۔ جہاں کھانے کا وقت آیا لکڑی لی اور چل دیئے۔ چاہے کوئی نواب ہی کا بچہ بیٹھا ہو۔ وہاں یہ شان تھی جیسے بادشاہوں کی شان، مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا رشید احمد صاحب جب حج کو چلے تو بمبئی میں مولانا محمد قاسم صاحب تو لوگوں سے ملتے پھرتے اور مولانا گنگوہی انتظام میں مشغول رہتے۔ جب مولانا محمد قاسم صاحب واپس آتے تو مولانا گنگوہی فرماتے کہ کچھ فکر بھی ہے کہ کیا انتظام کرنا ہے۔ آپ ملتے جلتے ہی پھرتے ہیں۔ مولانا فرماتے کہ مجھے فکر کی کیا ضرورت ہے جب آپ بڑے سر پر موجود ہیں۔ پھر فرمایا کہ ایک بار مولانا محمد قاسم صاحب مولانا گنگوہی سے فرمانے لگے کہ ایک بات پر بڑا رشک آتا ہے آپ کی نظر فقہ پر بہت اچھی ہے ہماری نظر ایسی نہیں۔ بولے کہ جی ہاں ہمیں کچھ جزئیات یاد ہو گئیں تو آپ کو رشک ہونے لگا۔ آپ مجتہد بنے بیٹھے ہیں ہم نے کبھی آپ پر رشک نہیں کیا، ایسی ایسی باتیں ہوا کرتی تھیں وہ انھیں اپنے سے بڑا سمجھتے تھے اور وہ انھیں۔ اس ملفوظ میں حضرت تھانوی نے حضرت گنگوہی کے اور بھی کئی واقعات بیان فرمائے ہیں اسکے ساتھ یہ بھی فرمایا ص۴۹۵ کہ ایک مرتبہ نانوتہ میں مولانا مظفر حسین صاحب تشریف لائے وہاں حضرت مولانا رشید احمد صاحب و مولانا محمد یعقوب صاحب و مولانا محمد قاسم صاحب موجود تھے، فرمایا بھائی ایک مسئلہ میں تردد ہے میں نے سنا تھا کہ سب صاحبزادے جمع ہیں اسلئے مسئلہ پوچھنے آیا ہوں، وہ مسئلہ یہ کہ چلتی ریل میں نماز پڑھنے میں علماء اختلاف کرتے ہیں کہ جائز ہے یا نہیں۔ بس تم لوگ آپس میں گفتگو کر کے ایک منقح بات بتلا دو کہ جائز ہے یا نہیں میں دلائل نہیں سنوں گا۔ چنانچہ سب حضرات نے آپسمیں

گفتگو کی مولانا نے ادھر التفات بھی نہیں فرمایا۔ گفتگو کر کے ان حضرات نے عرض کیا کہ حضرت طے ہو گیا جائز ہے فرمایا کہ اچھا تو پھر میں جاتا ہوں، عجیب شان کے لوگ تھے (ملفوظ ۲۸۱ حسن العزیز جلد اول) میں لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا نانوتوی نوراللہ مرقدہ کھلم کھلا کسی کو برا نہیں کہتے تھے۔ اور حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہ صاف صاف کہتے تھے۔ لگی لپٹی نہیں رکھتے تھے۔ چاہے کوئی رہے چاہے کوئی جائے۔ پہلے میں بھی نرم جواب کو پسند کرتا تھا لیکن اب تجربہ کے بعد مولانا گنگوہی کا طرز نافع ثابت ہوا۔ اور دوسرے ملفوظ میں تحریر فرماتے ہیں (۴۰۲) کہ حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہ کا ارشاد ہے کہ تحمل سے زیادہ کبھی اپنے ذمہ کام نہ لے۔ چنانچہ ایک صاحب نے مولانا کے کسی مہمان سے بستره کو پوچھ لیا تو معلوم ہونے کے بعد فرمایا کہ اگر اس کے پاس نہ ہوتا تو تم کہاں سے دیتے۔ اور اگر ایک دو بستر کہیں سے لاکر دے بھی دیتے تو اگر بہت سے مہمان آتے اور کسی کے پاس بھی بستره نہ ہو تو سب کے لئے کہاں سے لاؤ گے۔ خبردار جو کسی سے بستره کے لئے پوچھا۔ جو آوے اپنے ساتھ بستر لیکر آوے۔ اسی طرح سنا گیا کہ ایک مرتبہ جاڑے کے زمانہ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے اپنی رضائی تو کسی مہمان کو دیدی پھر مولانا گنگوہی سے ان کی اپنے لئے رضائی مانگی تو فرمایا کہ اپنی رضائی کیوں دوسرے کو دیدی، میں تو اپنی رضائی نہیں دیتا۔ جب انھوں نے کہا کہ حضرت میں رات بھر جاڑے میں مرونگا۔ تب دو شرطوں سے دی ایک یہ کہ تہجد کے وقت مجھے واپس کر دینا کیونکہ لحاف اوڑھکر مجھ سے نہ اٹھا جاویگا، اور دوسرے کسی اور شخص کو مت دینا تاکہ کسی کی جوں نہ چڑھ جاوے فقط اس اختلاف طبائع کا اثر حضرات کے خدام میں بھی نمایاں تھا۔ حضرت شیخ الہند اور حضرت شیخ الاسلام میں قاسمی رنگ کا غلبہ تھا، اور حضرت سہارنپوری اور حضرت تھانوی میں حضرت گنگوہی کے رنگ کا غلبہ تھا۔ اور حضرت شاہ عبدالرحیم قدس سرہ کا تو عجیب معاملہ تھا کہ رنگ طبیعت تو قاسمی رنگ کا تھا لیکن ہیبت کا اثر خدام پر اتنا ہوتا تھا کہ عملاً گنگوہی طرز کا ظہور رہتا تھا۔ اور یہ اختلاف طبائع حادث نہیں بلکہ قدیم ہے

میں نے اپنے رسالہ اعتدال میں ایک حدیث نقل کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے آسمان میں دو فرشتے ہیں ایک سختی کا حکم کرتے ہیں دوسرے نرمی کا اور دونوں صواب پر ہیں، ایک جبریل علیہ السلام دوسرے میکائیل علیہ السلام، اور دو نبی ہیں ایک نرمی کا حکم کرتے ہیں دوسرے سختی کا اور دونوں صواب پر ہیں ایک ابراہیم علیہ السلام دوسرے نوح علیہ السلام اور میرے دو ساتھی ہیں ایک نرمی کا حکم کرتے اور دوسرے سختی کا ایک حضرت ابوبکرؓ دوسرے حضرت عمرؓ یہ مضمون اعتدال میں بہت تفصیل سے آچکا ہے۔ اس لئے اکابر کے اختلاف رائے اور اختلاف طبائع کو ہم جیسوں کے آپس کے اختلاف پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔ اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد کہ باوجود اختلاف کے انجذاب ہوتا تھا کوئی نئی چیز نہیں، حضرات شیخین کی آپس کی محبت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

میرے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اس سیہ کار سے ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا تمہارا ہر چیز میں تو اختلاف، مجھے میٹھے کا شوق تمہیں نفرت ہیں مرچ کے پاس نہیں جاتا تم سے بغیر مرچ کھایا نہیں جاتا۔ تم گوشت بغیر نہیں کھا سکتے اور میں گھاس کھانے والا وغیرہ وغیرہ کے بعد فرمایا کرتے پھر معلوم نہیں تمہاری طرف اتنی کشش کیوں ہے۔ پھر بعض دفعہ فرمادیا کرتے کہ اس اختلاف طبائع کے باوجود معلوم نہیں تم سے عشق کیوں ہو گیا۔ بہر حال علماء اور اکابر کا اختلاف رائے اور اختلاف مسائل بہت ہی مبارک ہے۔ مگر ہم جیسے نااہل نالائق اس کو ایک فتنہ بنا دیتے ہیں۔

۵۱۸ متعلقہ صا۲۱ اصلاح انقلاب جلد دوم میں مستقل رسالہ الخطوب المذیبۃ للقلوب المنیبۃ میں اس کی تفصیل موجود ہے وہاں حضرت کے نام کو ایک بزرگ صاحب ارشاد و تلقین کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

ترجمۃ المصنف

از حضرت شیخ الحدیث مولانا الحاج محمد زکریا صاحب مد ظلہا العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اس ناکارہ کے اکابر شموس و بدور ہدایت ہر ایک اپنے علوم و معرفت اور علو شان فقہ و سلوک تفسیر و حدیث میں ممتاز سے

اولئک ابائی فجئنی بمثلھم | اذا جمعتنا یا جریر المجامع
الٰہی کیسی کیسی صورتیں تو نے بنائی ہیں | کہ ہر اک دست بوسی کیا قدمبوسی کے قابل ہے
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر | ان ہی کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے | انھیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں | پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے | اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخندانی

لیکن اس کے باوجود گلدستہ کے پھولوں کی طرح سے ہر ایک کی بو الگ و نظافت و لطافت الگ، اور گلدستہ جب ہی کامل و مکمل ہو سکتا ہے جب کہ اس میں مختلف رنگوں کے اور مختلف خوشبوؤں اور اداؤں کے پھول ہوں سے

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن | اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

میرے جملہ اکابر کی سوانح عمریاں مختصر و مفصل بہت سی لکھی گئیں ہیں جن میں ان کے علمی کمالات عملی ریاضات معارف و علوم و حکمت پر مختصر مفصل سب ہی کچھ لکھا گیا لیکن ان سب کا احاطہ نہ ہو سکتا ہے اور نہ مجھ جیسے ناقص العلم والفہم کے ادراک میں آسکتے ہیں، مگر میرا جی یہ چاہا کرتا ہے کہ ان اکابر کے تاریخی حالات نہایت اجمالی طور پر ضرور دوستوں کو مستحضر رہیں تاکہ اس سے دَور اور زمانے کا علم تو ہوتا رہے۔ اسی لئے میں نے اپنے اکابر کا حال جس تذکرہ میں عربی میں یا اردو میں لکھا بہت مختصر لکھا۔ چونکہ خوان خلیل حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی تالیف ہے اور حضرت حکیم الامۃ کی سوانح عمریاں مختصر و مطول ہند و پاک میں بہت سی لکھی

جا چکی ہیں اور گو کمالات علمیہ اور عملیہ توان میں بھی نہ آئے ان میں اشرف السوانح مؤلفہ محبی و مخلصی جناب الحاج خواجہ عزیز الحسن بہت ہی مکمل اور قابل اعتماد ہے کہ خود حضرت حکیم الامت کے زمانۂ حیات میں لکھی گئی اور خود حضرت کی نظر ثانی دو حصوں پر ہوئی اسکے بعد جتنی لکھی گئیں وہ سب اسی سے ماخوذ اور ان کا چربہ ہیں جو مختلف اہل ذوق نے اپنے ذوق کے موافق لکھی ہیں۔ میرا ذوق جیسا کہ میں نے اوپر لکھا نہایت مختصر تاریخی حالات لکھدینے کا ہے اسی لحاظ سے اس مختصر مضمون میں خوان خلیل کے مصنف حضرت اقدس حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ کے مختصر تاریخی حالات لکھنے کا ہے۔

یہ تو مشہور ہے کہ آپ کی پیدائش ایک صاحب خدمت مجذوب حافظ غلام مرتضیٰ پانی پتی کی دعا سے ہوئی۔ اس لئے کہ آپکے والد صاحب نے مرض خارش سے تنگ آکر اطبار کے مشورہ سے کوئی دوا قاطع النسل کھالی تھی جس کی وجہ سے اولاد کے پیدا ہونیکی کوئی امید نہ تھی۔ آپ کی نانی صاحبہ بہت پریشان تھیں۔ انھوں نے اپنی لڑکی (یعنی آپ کی والدہ ماجدہ) کیلئے دعا کرائی۔ ان مجذوب نے پیشین گوئی کی کہ اس لڑکی سے دو لڑکے پیدا ہوں گے۔ ایک میرا ہوگا جو مولوی، عالم، حافظ ہوگا۔ اس کا نام اشرف علی رکھنا اور دوسرا دنیا دار ہوگا۔ اس کا نام اکبر علی رکھنا حضرت حکیم الامۃ فرمایا کرتے تھے کہ میں جو کسی وقت اکھڑی اکھڑی باتیں کرنے لگتا ہوں تو انھیں مجذوب صاحب کی روحانی توجہ کا اثر ہے۔ جن کی دعا سے میں پیدا ہوا ہوں کیونکہ طبیعت مجذوبوں کی طرح آزاد ہے

تاریخ ولادت ۵ ربیع الآخر ۱۲۸۰ھ کو بدھ کے دن صبح صادق کے وقت آپ کی ولادت ہوئی تاریخی نام کرم عظیم ہے۔ دادھیالی نام عبد الغنی تجویز ہوا۔ اور نانیہالی اشرف علی پھر اسی کو غلبہ ہوا۔

حضرت کا تعلیمی دور قرآن شریف سے ہوا۔ چند پارے آپ نے کھتولی ضلع مظفر نگر کے رہنے والے اخون جی سے پڑھے۔ پھر حافظ حسین علی صاحب جو دہلی کے رہنے والے تھے اور میرٹھ میں قیام تھا آپنے دس سال کی عمر میں حفظ سے فراغت پالی تھی۔ فارسی کی تعلیم میرٹھ کے استاذوں سے حاصل کی اور پھر متوسطات تھانہ بھون میں حضرت مولانا فتح محمد صاحب

ے پڑھیں، اور انتہائی کُتب فارسی ابوالفضل تک اپنے ماموں واجد علی صاحب سے پڑھیں جو ادب فارسی کے استاذ کامل تھے۔ اس کے بعد دیوبند تشریف لیگئے۔ عربی کی ابتدائی چند کتابیں مولانا فتح محمد صاحب تھانوی سے پڑھیں اور فارسی کی چند کتابیں سکندر نامہ وغیرہ بھی دیوبند میں مولوی منفعت علی صاحب سے پڑھیں۔ دیوبند کا داخلہ آخر ذی قعدہ ۱۲۹۵ھ میں ہے، وہاں جاکر حضرت نے نورالانوار ملاحسن مشکوٰۃ شریف مختصر المعانی شروع کی اور پانچ سال تک مسلسل دارالعلوم میں تعلیم حاصل کی۔ لیکن دوران تعلیم میں حضرت کو خارش کا مرض لاحق ہوا جبکہ حضرت کی عمر اٹھارہ برس کی تھی چھٹی لیکر اپنے مکان تھانہ بھون تشریف لے گئے اور چونکہ طلب علم کا زمانہ شروع ہوچکا تھا خالی رہنا مشکل تھا۔ اس لئے بطور مشغلہ کے مثنوی زیر و بم تصنیف فرمائی جسکا پہلا شعر جو اسکی تمہید ہے یہ ہے ؎

ہمی گوید گرفتار درد و نالہ ٭ نادان ہشتدہ سالہ

۱۳۰۱ھ جب کہ حضرت کی عمر بیس سال کی تھی علوم ظاہریہ سے فراغت حاصل کی۔

حضرت حکیم الامۃ کی طالب علمی کے زمانے میں ان کی تائی صاحبہ نے فرمایا کہ بھائی تم نے چھوٹے کو تو انگریزی پڑھائی ہے وہ تو خیر کما کھائیگا اور بڑا عربی پڑھ رہا ہے اسکی گذراوقات کی کیا صورت ہوگی۔ کیونکہ جائیداد وارثوں میں تقسیم ہوکر قابل گزارہ کے نہ رہے گی یہ بات والد صاحب کو بہت ناگوار ہوئی، اور باوجود اس کے کہ تائی صاحبہ کا بہت ادب کرتے تھے یہ سُن کر جوش آگیا اور کہنے لگے کہ بھابی صاحبہ یہ تم نے کیا کہا، خدا کی قسم جس کو تم کمانے والا سمجھتی ہو ایسے ایسے اسکی جوتیوں سے لگے لگے پھریں گے۔ اور یہ ان کی جانب رخ بھی نہ کریگا۔ یہ مقولہ نقل کرکے حضرت حکیم الامۃ فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ بات کوئی درویش کہتا تو اس کی بڑی کرامت سمجھی جاتی۔ لیکن والد صاحب تو دنیادار سمجھے جاتے تھے۔

دیوبندی دور کے اساتذہ کرام (۱) حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہ

حضرت حکیم الامۃ نے ان سے کوئی سبق تو نہیں پڑھا لیکن درس جلالین میں شرکت

کیا کرتے تھے۔ (۲) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدرس اول جو حضرت حاجی صاحب کے اکابر خلفاء میں شمار ہوتے تھے۔ اور اسباق میں بھی علوم ظاہریہ کے ساتھ علوم باطنیہ سے بھی طلبار کو مستفید فرماتے تھے۔ (۳) شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب مدرس چہارم جب کہ حضرت حکیم الامۃ ۱۲۹۵ھ میں دیوبند میں داخل ہوئے تو حضرت شیخ الہند کے پاس مختصر المعانی اور ملاحسن کے اسباق پڑھے۔ حضرت حکیم الامۃ نے اپنی تعلیم کی تفصیل سبع سیارہ میں لکھی ہے مان دو کے علاوہ حضرت کے اساتذہ میں مولانا سید احمد صاحب مدرس دوم اور ملا محمود صاحب مدرس سوم اور مولانا عبدالعلی صاحب بھی تھے۔ ذکر محمود میں ہے کہ ابتداء حاضری سے فراغ تک حضرت شیخ الہند کے پاس میرے اسباق رہے جن میں حمد اللہ میر زاہد رسالہ میر زاہد ملا جلال اور فقہ میں ہدایہ اخیرین اور حدیث کی متعدد کتب پڑھیں جن کی تفصیل سبع سیارہ رسالہ میں ہے اور قراءۃ کی مشق مکہ مکرمہ کی حاضری پر شیخ القراء قاری عبداللہ صاحب مہاجر مکی سے کی، اشرف السوانح میں تحریر ہے کہ جب مدرسہ صولتیہ کے بالائی حصہ پر قاری صاحب حضرت تھانوی کو مشق کراتے تو نیچے سے سننے والے کو بسا اوقات استاذ وشاگرد کی آواز میں اشتباہ ہوتا تھا۔ دارالعلوم سے فراغ پر آخر صفر ۱۳۰۱ھ میں مدرسہ فیض عام کانپور کی صدر مدرسی پر بمشاہرہ پچیس روپے تشریف لیگئے۔ حضرت حکیم الامۃ فرمایا کرتے تھے کہ تعلیم کے زمانے میں اپنے لئے زیادہ سے زیادہ دس روپے تنخواہ کافی سمجھا کرتا تھا۔ پانچ روپے اپنی ضرورت کیلئے اور پانچ روپے گھر والو کی ضرورت کے لئے فیض عام میں تشریف لیجانے کے تین چار ماہ بعد مواعظ کی شہرت ہوئی تو اہل مدرسہ نے اس پر زور دیا کہ حضرت اپنے مواعظ میں مدرسہ کے لئے چندہ بھی کیا کریں جس کو حضرت نے قبول نہیں کیا اس پر اختلاف ہوا اور حضرت استعفاء دیکر چلے آئے مگر چونکہ اہل کانپور گرویدہ ہو چکے تھے اس لئے جب حضرت واپسی کے لئے اس نیت سے کہ پھر ادھر آنا ہو یا نہ ہو گنج مراد آباد حضرت شاہ فضل الرحمن صاحب نوراللہ مرقدہ کی زیارت کیلئے پہونچے اور زیارت وغیرہ کے بعد دوبارہ کانپور سامان لینے کیلئے پہنچے تو حاجی

عبدالرحمن صاحب نے اپنے محلہ کی جامع مسجد محلہ پٹکاپور میں ایک مدرسہ جامع العلوم کے نام سے تجویز کیا اور اس میں باصرار حضرت سے قیام کی درخواست کی۔ چنانچہ پچیس روپے پر حضرت نے وہاں قیام منظور فرمالیا۔ اور جامع العلوم کے قیام کے دوران میں حضرت کو خیال ہوا کہ تنخواہ لے کر دین کی خدمت گو جائز ہے لیکن جی اس کو پسند نہ کرتا تھا۔ اس لئے کچھ دنوں بعد دہلی جاکر حکیم عبدالمجید صاحب سے طب کی تعلیم شروع کی تاکہ گذراوقات مطب سے ہو اور خدمت دین لوجہ اللہ تعالیٰ لیکن حضرت کے دہلی جانے پر اہل کانپور مضطرب ہوکر دہلی پہونچے اور واپسی پر اصرار کیا دہلی کے دوران قیام میں حضرت کے ہم سبق جناب الحاج حکیم جمیل الدین صاحب نگینوی نوراللہ مرقدہ نے بھی یہی مشورہ دیا کہ طب کا مشغلہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے کہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ مطب کے ساتھ دین اور علم دین کی خدمت نہیں ہوتی۔ (از زکریا عفی عنہ۔ حضرت اقدس قطب الارشاد حضرت گنگوہی کا مشہور مقولہ ہے کہ جسے دنیا سے کھونا ہو کسی خانقاہ میں بٹھادو، اور علم دین سے کھونا ہو تو علم طب پڑھادے۔ اور دونوں سے کھونا ہو تو شاعری سکھادے) حضرت حکیم الامۃ نے از خود استاد سے سبق چھوڑ کر واپس آنا خلاف ادب سمجھا۔ اس لیے اہل کانپور سے کہا کہ تم استاذ سے خود اجازت لو۔ ان کے اصرار پر حکیم عبدالمجید صاحب نے حکیم الامۃ سے فرمایا کہ اگر تم ترقی کرنا نہیں چاہتے تو اجازت ہے۔ حضرت تھانوی نے ۱۵ روز دہلی قیام کے بعد کانپور مراجعت فرمائی۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کو جب مشغلۂ طب چھوڑ کر کانپور مراجعت کی اطلاع ہوئی تو حضرت نے بہت اظہار مسرت فرمایا اور فرمایا کہ طبابت کے شغل کو ترک کرکے کانپور آکر دینیات کے شغل کا حال معلوم ہوکر بیحد مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپکی خدمات میں برکت فرما دے۔ آپ کے فیوض و برکات سے لوگوں کو بہت مستفیض فرمائے میں نے آپ کو پہلے ہی مشورہ دیا تھا کہ دین کو خوب مضبوط پکڑنا چاہیے دنیا خود ہی اچھی صورت میں خدمت کے لیے حاضر رہا کریگی۔ بہرکیف آپ لوگ علماء ورثۃ الانبیاء ہیں آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لیے پیدا کرکے بڑے درجے عنایت کئے ہیں

پس اپنے مقصود کا خوب خیال رکھنا چاہیے۔ (مکتوبات امدادیہ صـ۳ مورخہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ)
طالب علمی کے آخری دور میں دیوبند کے قیام میں ایک مرتبہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کی دیوبند تشریف بری پر بیعت کی درخواست کی تھی لیکن حضرت قطب عالم نے یہ کہکر کہ طالب علمی کے زمانہ میں شغل باطن مخل تحصیل علم ہوگا انکار فرما دیا تھا جس کو حضرت تھانوی نے دفع الوقتی پر حمل فرمایا جس کی تفصیل یاد یاراں میں مذکور ہے۔ لیکن اسی زمانہ میں ایک دوسرے طالب علم کو حضرت نے بیعت فرمالیا جس سے حضرت تھانوی کو بہت قلق ہوا۔ اور ۱۲۹۹ھ میں حضرت قطب الارشاد گنگوہی قدس سرہ تیسرے سفر حج کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت تھانوی نے حضرت گنگوہی قدس سرہ کے ہاتھ ہی دستی خط حضرت شیخ المشائخ مہاجر مکی کی خدمت میں لکھا کہ میں نے مولانا سے درخواست بیعت کی تھی مولانا نے انکار کر دیا۔ جناب سفارش فرمادیں۔ اور اعلیٰ حضرت کی حضرت قطب عالم سے جو گفتگو ہوئی وہ تو معلوم نہیں لیکن حضرت تھانوی کے خط کا جو جواب حضرت شیخ المشائخ نے مرحمت فرمایا تھا اس میں بجائے سفارش کرنے کے خود ہی خط سے بیعت فرمالیا۔ اور اس سے بہت قبل حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ نے حضرت حکیم الامۃ کے والد کو ایک خط لکھا تھا کہ جب تم حج کو آؤ تو اپنے بڑے لڑکے کو ساتھ لیکر آنا۔ حالانکہ حضرت شیخ العرب والعجم کو اسوقت حضرت تھانوی سے کوئی خصوصی تعارف بھی نہ تھا خط سے بیعت کے بعد منجانب اللہ حاضری کی صورت بھی پیدا ہوئی وہ یہ کہ اس زمانے میں دیوبند میں کوئی کمپنی قائم ہوئی تھی۔ جس میں فی حصہ پانچسو روپے کا تھا اور ایک شخص کو ایک حصہ سے زائد لینے کا حق نہ تھا۔ مگر حضرت تھانوی کے والد صاحب نے اپنے تمول کی وجہ سے تین حصے اس طرح لئے ایک اپنے نام سے دوسرا حضرت تھانوی کے نام سے اور تیسرا حضرت کے چھوٹے بھائی منشی اکبر علی کے نام سے۔ اور کچھ عرصہ بعد بعض وجوہ سے اس رقم کو واپس لے لیا۔ اس پر حضرت تھانوی نے اپنے والد صاحب کو لکھا کہ جو حصہ آپ نے میرے نام سے جمع کیا تھا اور اب واپس لے لیا وہ میری ملک

ہے یا آپ کی۔ اس پر والد صاحب نے جواب دیا کہ ابتک تو میری ملک تھی اور مصلحتاً
تمہارا نام لکھا تھا۔ لیکن تمہاری ملک ہے۔ اس پر حضرت تھانوی نے لکھا "اب تو اس
رقم کی زکوٰۃ بھی مجھپر واجب ہے اور اسکی وجہ سے مجھ پر حج بھی فرض ہوگیا۔ والد صاحب
نے زکوٰۃ کی رقم تو نقد بھیجدی۔ اور حج کے متعلق لکھا کہ میں تمہاری چھوٹی بہن یعنی والدۂ
ماجدہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی (شیخ الاسلام پاکستان) کے نکاح سے
فارغ ہو جاؤں تو آئندہ سال حج کے لئے جاؤں گا۔ اس وقت تم بھی ساتھ چلنا۔
حضرت تھانوی نے لکھا اگرچہ والد کا ادب بھی بہت کرتے تھے اور ڈرتے بھی بہت تھے
آپ مجھے یہ لکھدیجئے کہ تو آئندہ سال تک زندہ رہے گا۔ اسپر والد صاحب نے لکھا
کہ یہ میں کیسے لکھ سکتا ہوں تو حضرت تھانوی نے لکھا کہ پھر حج کو کیسے مؤخر کر سکتا
ہوں۔ اس پر والد صاحب نے بہت ہی عجلت کی حالت میں شوال ۱۳۰۱ھ میں
نہایت عجلت میں اپنی صاحبزادی کا کھڑے کھڑے نکاح پڑھ دیا۔ اور شادی کی
تقریبات سے فراغت بھی نہیں ہوئی تھی کہ حضرت تھانوی کے ساتھ حج کو
روانہ ہو گئے، جبکہ حضرت تھانوی قدس سرہ کو کانپور کی ملازمت کو چند ماہ ہی ہوئے
تھے۔ اس سال دریا میں طغیانی بہت شدت سے تھی۔ راستہ میں والد صاحب کے
دوستوں نے طغیانی سے ڈرایا بھی مگر والد صاحب نے فرمایا کہ اب تو ارادہ کرلیا
ہے۔ واقعی سمندر میں بہت زیادہ طغیانی تھی اور حضرت کا جہاز حیدری نام بہت
چھوٹا جہاز تھا جو طغیانی کا تحمل نہیں کر سکتا تھا۔ کبھی ادھر جھکتا کبھی ادھر موج کا
پانی جہاز کے اوپر کو گذرتا اور سب سامان کو بھگو دیتا۔ لیکن اللہ کے فضل سے نہایت
عافیت کے ساتھ مکہ مکرمہ پہونچ گئے۔ حضرت تھانوی کا ارشاد ہے کہ جب اول
بار بیت اللہ پر نظر پڑی ہے تو اس طرح کیفیت انجذابیہ شوقیہ ہوئی کہ پھر عمر بھر
بھی کبھی نہیں ہوئی۔ اعلیٰ حضرت مہاجر مکی کو بھی حضرت کی حاضری پر نہایت مسرت
ہوئی۔ اور ارشاد فرمایا کہ تم چھ ماہ میرے پاس رہ جاؤ۔ لیکن والد نے مفارقت گوارا
نہ کی تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ اب تو والد کی اطاعت کرو پھر کبھی موقعہ ہوا تو چھ ماہ

آگرہ جانا۔ اس سفر میں تجدید بیعت دست بدست بھی ہو گئی۔ اور حضرت حکیم الامۃ کے والد بھی اسی سفر میں مشرف بہ بیعت ہوئے۔ باوجود اعلیٰ حضرت کی خواہش کے والد صاحب نے مفارقت گوارا نہ کی۔ اس لئے واپس آنا پڑا۔ لیکن باوجودیکہ حجاز سے واپسی پر جامع العلوم کانپور میں درس و تدریس کا سلسلہ چلتا رہا لیکن دن بدن طبیعت پر علوم باطنی کی طرف میلان بڑھتا رہا اور ۱۳۰۷ھ میں ذکر و شغل کی طرف جب زیادہ میلان بڑھ گیا تو حضرت حاجی صاحب سے ترک ملازمت کی اجازت چاہی۔ لیکن حاجی صاحب نے منظور نہیں فرمایا۔ جو مفصل تو مکتوبات امدادیہ میں ہے اور مختصر اشرف السوانح میں ص ۱۷۳ پر فارسی میں بھی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے " ذوق و شوق کے حالات سے ترقی کا اندازہ ہوا۔ البتہ ملازمت کا ترک تعلق مناسب نہیں کہ یہ تجردانہ زندگی کے مناسب ہے۔ اہل و عیال کو مضطرب چھوڑنا ناعاقبت اندیشی ہے۔ یہ والانامہ ۲۲ محرم ۱۳۰۸ھ کا ہے۔ اسی ذوق و شوق میں حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضری کے عرائض بار بار لکھے اور چونکہ ۱۳۰۵ھ میں والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا اسلئے اجازت کا مسئلہ بھی نہ تھا۔ ۱۳۱۰ھ کے آخر میں حج کے لئے روانہ ہوئے۔ اور اعلیٰ حضرت کی تمنا کہ چھ ماہ میرے پاس رہو کو پورا کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں جانے کے بعد اعلیٰ حضرت کے ایسے منظور نظر بنے کہ لوگوں کو رشک ہی نہیں حسد ہونے لگا۔ یہاں تک کہ حضرت تھانوی خود فرمایا کرتے تھے کہ میں یہ چاہا کرتا تھا کہ حضرت میرے اوپر سب کے سامنے اتنی شفقت نہ فرمایا کریں تو اچھا ہے۔ آخر میں حضرت تھانوی کو حاسدین سے اتنا اندیشہ ہو گیا تھا کہ پورے چھ ماہ کا ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ اور ہفتہ عشرہ پہلے ہی تشریف لے آئے کہ ابھی تو میں حضرت کے یہاں مقبول ہوں آئندہ کہیں لگائی بجھائی کرنے والے حاسدین حضرت کو میری طرف سے مکدر نہ کر دیں۔ اس لئے انشراح کی حالت میں ہی رخصت ہو جانا چاہئے۔ اور اسی سفر میں اعلیٰ حضرت کی طرف سے اجازت بیعت بھی حاصل ہو گئی۔ واپسی پر اپنے مشغلۂ علمیہ میں مشغول رہے۔ اسی دوران میں حضرت کے ماموں پیر جی امداد علی جو عرصہ سے حیدر آباد میں مقیم تھے اور نہایت مغلوب الحال

والمقال حیدرآباد سے واپسی میں کانپور کو قصداً اس تمنا میں گذرے کہ بھانجے کو بھی جن کا شہرہ سن رہے تھے ملاقات کروں، وہ کانپور میں آکر سرائے میں ٹھیرے اور حضرت کو اطلاع دی کہ اگر تم اپنی وضع کے خلاف نہ سمجھو تو مجھ سے سرائے میں آکر ملجاؤ۔ حضرت ملنے تشریف لے گئے۔ اور باصرار اپنے مکان پر لے آئے۔ ماموں صاحب نے فرمایا بھی کہ میاں تم عالم باعمل ہو مجھے اپنے یہاں نہ لیجاؤ کہ دیکھنے والے یہ کہیں گے کہ کس لُچے کو لے آئے۔ مگر حضرت کے اصرار پہ پیرجی صاحب مع اپنے ساز و سامان کے جس میں آلات سماع بھی تھے مکان پر آگئے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ماموں صاحب میں اتنی سوزش تھی کہ کلمات سے آگ سی نکلا کرتی تھی۔ جس پر حضرت تھانوی رح کو ایک جوش پیدا ہوا کہ جس طرح بھی ہو ان سے عشق کی آگ لی جائے اور بے اختیار ماموں صاحب کی طرف رجوع کرلیا۔ حضرت تھانوی کا یہ رجوع دوسری مرتبہ تھا پہلی مرتبہ سفر حج ثانی سنہ ھ سفر اجازت بیعت سے پہلے کا ہے۔ اس کا بیان اشرف السوانح صـ۲۱۵ پر ہے۔ بعض حضرت تھانوی کے سوانح لکھنے والوں نے دونوں کو خلط کردیا۔ اسی دوسرے رجوع پر حضرت گنگوہی قدس سرہ کی وہ خط و کتابت ہے جو تذکرۃ الرشید میں مفصل موجود ہے۔ حضرت تھانوی کے اس رجوع پہ حضرت گنگوہی رح نے مولانا منور علی صاحب کے واسطے سے حضرت تھانوی سے شکوہ کیا۔ جس کا مختصر ذکرہ یاد یاراں میں بھی ہے۔ اشرف السوانح میں تو یہ قصہ بہت مختصر ہے اور خط کی طرف صرف اشارہ ہے۔ لیکن تذکرۃ الرشید صـ۱۱۴ جلد اول پر یہ تذکرہ حضرت گنگوہی و حضرت تھانوی کی مکرر سہ کرر مراسلت کے ذیل میں مذکور ہے۔ البتہ اشرف السوانح کی ترتیب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ و ہنگامہ حضرت تھانوی کے دوسرے سفر حج اور اجازت سے قبل کا ہے۔ لیکن تذکرۃ الرشید میں ان خطوط پر جو تاریخیں درج ہیں ان میں حضرت تھانوی کے سب سے پہلے خط پر ۲۹ ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۴ھ ہے۔ اور حضرت گنگوہی کے جواب پر ۵ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۴ھ ہے، اسی طرح حضرت تھانوی کا دوسرا عریضہ ۱۳ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۴ھ کا ہے اور حضرت گنگوہی کا جواب ۵ محرم الحرام کا ہے۔ اور تیسرا عریضہ حضرت تھانوی کا ۸ محرم سنہ ۱۳۱۵ھ کا ہے اور اسپر

حضرت گنگوہی کا جواب ۱۲ محرم ۱۳۱۵ھ کا ہے۔ اس کے بعد بھی کئی مکاتبتیں ہیں آخری مکاتبت میں حضرت تھانوی کا رجوع اور حضرت گنگوہی کا اسپر تشکر ہے جو بہت طویل خط و کتابت ہے جو تذکرۃ الرشید میں دیکھی جاسکتی ہے۔ لیکن اس ناکارہ زکریا کے خیال میں ۱۳۱۱ھ میں مکہ مکرمہ سے واپسی پر اعلیٰ حضرت نے جو دو وصیتیں فرمائی تھیں میاں اشرف علی ہندوستان پہنچکر تم کو ایک حالت پیش آئیگی عجلت نہ کرنا۔ اور کبھی کانپور کے تعلق سے دل برداشتہ ہو تو پھر دوسری جگہ تعلق نہ کرنا (اشرف السوانح ص ۲۰۷) توکل بخدا تھانہ بھون جاکر بیٹھ جانا۔ اس سفر حج سے واپسی کے بعد سے حضرت کا تبتل کا میلان توبڑھتا ہی گیا، حضرت تھانوی کا خود ارشاد ہے کہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت سے واپسی کے بعد ایک سال کے قریب میں نے وعظ نہیں کہا لوگ بہت اصرار کرتے تھے مگر مجھے سخت تکلیف ہوتی تھی کہ ایسے خراب شخص سے کیوں وعظ کیلئے کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ بہت اصرار کیا تو میں رونے لگا۔ اس کے بعد اصرار نہیں ہوا (حسن العزیز جلد اول ملفوظ ۳۰۶ ص ۱۶۶)

اس دوران میں حضرت گنگوہی قدس سرہ سے ترک ملازمت کی دو مرتبہ اجازت بھی چاہی جو مجھے تذکرۃ الرشید میں یاد ہے۔ مگر حضرت گنگوہی نے دونوں مرتبہ اجازت نہیں فرمائی اور تیسری مرتبہ حضرت تھانوی نے ترک ملازمت کے بعد یہ لکھا کہ حضرت مجھ سے تحمل نہیں ہوا میں چھوڑ کر چلا آیا تو حضرت گنگوہی قدس سرہ نے بہت دعائیں دیں میرے والد صاحب حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاتب خطوط نے پہلے دو خطوں پر بھی بہت سفارش کی کہ اللہ کا نام ایک شخص توکلا علی اللہ بلا معاوضہ سکھانے کا ارادہ کرتا ہے تو حضرت کیوں منع فرماتے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ جو میں کہتا ہوں لکھدو اور تیسرے جب حضرت گنگوہی قدس سرہ نے بہت دعائیں دیں تو میرے والد صاحب نے پھر عرض کیا کہ پہلے دو خطوں میں تو حضرت نے یہ لکھوایا تھا اور اب اظہار مسرت کیا تو حضرت نے فرمایا کہ آدمی مشورہ جب کیا کرتا ہے جب تردد ہو۔ اور جب تک تردد ہو توکل ٹھیک نہیں۔ یہ قصہ میں نے بڑی تفصیل سے اپنے والد صاحب سے بھی سنا تھا اور تذکرۃ الرشید میں بھی یاد ہے مگر اس وقت مراجعت دشوار ہے۔ بہرحال حضرت حکیم الامۃ اوائل ۱۳۱۵ھ میں کانپور سے ترک ملازمت کر کے تھانہ بھون

تشریف لائے جسکی تفصیل اشرف السوانح صـ ۲۲۹ پر ہے۔ تھانہ بھون تشریف آوری کے بعد حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ پر کچھ قرضہ ہوا۔ جس کی دعا کیلئے اعلیحضرت کو مکہ مکرمہ اور قطب الارشاد کو گنگوہ لکھا۔ اعلی حضرت حاجی صاحب کا جواب تو یہ آیا کہ آپکی استقامت اور توکل میں کامیابی کی دعا کرتا ہوں۔ مختصر مکتوب ۳ ؍ ۴ رجب ۱۳۱۵ھ اور حضرت گنگوہی قدس سرہ نے تحریر فرمایا کہ اگر کہو تو مدرسہ دیوبند میں تمہارے لئے مدرسی کی تحریک کروں اس پر حضرت تھانوی نے عرض کیا کہ میرا تو عرض کرنے کا مقصد صرف دعا ہے، باقی حضرت حاجی صاحب نے بعد ترک تعلق کانپور کسی اور جگہ کوئی تعلق کرنیکی ممانعت فرمادی ہے لیکن اگر حضرت کی یہی تجویز ہے تو میں اسکو بھی حضرت حاجی صاحب ہی کی تجویز سمجھوں گا اور یہ سمجھوں گا کہ حضرت حاجی صاحب ہی نے اپنی پچھلی تجویز کو منسوخ فرما کر اب یہ صورت تجویز فرمادی ہے۔ یہ سنکر حضرت مولانا گنگوہی نے فوراً گھبرائے ہوئے سے لہجہ میں فرمایا کہ نہیں نہیں، اگر حضرت حاجی صاحب کی ممانعت ہے تو میں ہرگز اس کے خلاف مشورہ نہیں دیتا۔ میں دعا کروں گا کہ اللہ تعالی قرض سے سبکدوش فرمائے۔ چنانچہ دونوں حضرات کی دعا کی برکت سے قرضہ سے جلدی سبکدوشی ہوگئی اور پھر بفضلہ تعالی کبھی تنگی نہیں ہوئی (اشرف السوانح صـ ۲۳۵) حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے دو نکاح ہوئے۔ پہلا طالبعلمی کے دوران میں جس کو حضرت تھانوی نے یادیاراں میں اسطرح تحریر فرمایا ہے کہ جب احقر کا گنگوہ میں نکاح ہوا غالباً ۱۲۹۸ھ تھا والد صاحب مرحوم کی درخواست پر شیخ غلام محی الدین مرحوم رئیس اعظم چھاؤنی میرٹھ کہ والد مرحوم انکی ریاست میں مختار تھے والد صاحب کی درخواست پر انھوں نے نکاح میں شرکت کی، نکاح حضرت گنگوہی قدس سرہ نے پڑھا تھا۔ جب حضرت قدس سرہ مجلس نکاح سے واپس ہوگئے تو شیخ صاحب بھی ساتھ ساتھ چلے گئے۔ شیخ صاحب نے خود مجھ سے ایک دفعہ کہا کہ میں نے بہت سے بزرگ دیکھے بڑے بڑے حکام سے ملا لیکن جو رعب و ہیبت حضرت کی دیکھی وہ کسی میں نہیں دیکھی۔ یہ حالت تھی کہ بات کرنا چاہتا تھا مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔ ان کی یہ شہادت ایک باوقعت شہادت تھی الخ۔ دوسرا نکاح اپنی ہمشیرزاد مولانا سعید احمد صاحب

رحمۃ اللہ علیہ برادر بزرگ مولانا ظفر احمد صاحب شیخ الاسلام پاکستان
کی بیوہ سے ہوا۔ یہ نکاح وسط رمضان ۱۳۴۴ھ میں ابتداءً وکالت کے ذریعہ
سے ہوا تھا لیکن ہنگامہ آرائیوں کی وجہ سے حضرت نور اللہ مرقدہ کو ایک
طلاق دینی پڑی اور اس پر اہلیہ اولیٰ نے خود کیرانہ جاکر سب کو از سر نو راضی
کر کے اور حضرت کو بلا کر تجدید نکاح کی۔ اس میں بھی بڑی ہنگامہ آرائیاں
ہوئیں۔ حضرت قدس سرہ نے اس سلسلہ میں ایک مستقل رسالہ بھی الخطوب
المذیبۃ للقلوب المنیبۃ تحریر فرمایا وصال کے وقت دونوں اہلیہ حیات تھیں۔
بڑی اہلیہ محترمہ کا چند سال بعد تھانہ بھون میں انتقال ہو چکا۔ دوسری اہلیہ محترمہ
تقسیم ہند کے بعد اپنے داماد مفتی جمیل احمد صاحب مفتی جامعہ اشرفیہ کے ساتھ لاہور تشریف
لے گئیں جو اس رسالہ کی تالیف تک بقید حیات ہیں۔

حضرت حکیم الامۃ اصلاح ورشد وہدایت کے ساتھ خانقاہ امدادیہ کی زینت بنے
رہے اور سلسلہ علالت تو کچھ دنوں پہلے سے شروع ہو گیا تھا۔ اور بڑی اہلیہ کی اجازت
سے اہلیہ محترمہ صغریٰ کے مکان پر تشریف فرما تھے۔ علالت زور پکڑتی رہی
مختلف علاج تجویز ہوتے رہے کہ ۱۵ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹
جولائی ۱۹۴۳ء یوم دوشنبہ کی صبح ہی سے حضرت فرمانے لگے کہ آج
ہاتھ پیروں کی جان سی نکل گئی ہے۔ ظہر کے بعد سے سوء تنفس پیدا ہو گیا
فرمایا کہ اتنی تکلیف مجھے عمر بھر نہیں ہوئی لیکن بجائے کراہنے
کے لفظ اللہ درد کے ساتھ زبان سے نکلتا تھا۔ اور دوشنبہ
سہ شنبہ کی درمیانی شب میں ۱۰ ½ بجے وصال ہوا۔ مولانا شبیر علی صاحب
برادرزادہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جن کو حضرت قدس سرہ نے گویا متبنیٰ بھی
بنا رکھا تھا۔ پیر کی صبح کو سہارنپور دوائیں لینے کے لئے آئے
ہوئے تھے۔ حضرت قدس سرہ نے بار بار ان کو طلب کیا کہ

کچھ معاملات فرمانا چاہتے تھے. مگر مولانا شبیر علی صاحب مرحوم وصال کے بعد پہنچے اور ان ہی کی تجویز سے تدفین صبح کے بعد قرار پائی. منگل کی صبح نماز سے پہلے سہارنپور آدمی پہونچ گیا۔ اور بھی قرب وجوار میں بجلی کی طرح سے اطلاعیں پہنچ گئیں. یہ ناکارہ تو خبر سنتے ہی فوراً اسٹیشن روانہ ہوگیا۔ اور عین گاڑی کی روانگی کے وقت بلکہ چلتی گاڑی میں سوار ہوگیا. اور دس بجے کے قریب تھانہ بھون حاضر ہوگیا. لیکن گاڑی کوئی اور تھانہ بھون جانے والی نہیں تھی اس لئے اہل شہر کی مساعی سے تھانہ بھون کیلئے دو اسپیشل یکے بعد دیگرے روانہ ہوئے. پہلا اسپیشل تو ۱۲ بجے کے بعد جب کہ جنازہ عیدگاہ میں تدفین کے لئے لایا جاچکا تھا پہنچ گیا تھا۔ اور کچھ لوگ جو جلال آباد کے اسٹیشن سے اتر کر پاپیادہ تھانہ بھون بھاگ گئے تھے وہ تو نماز میں بھی شریک ہوگئے اور جو اسپیشل ہی میں گئے وہ دفن میں تو شریک ہوگئے مگر جنازہ میں شریک نہ ہوسکے لیکن دوسرا اسپیشل تدفین کے بعد پہونچا. انا للہ وانا الیہ راجعون

للہ ما اخذ و لہ ما اعطی وکل شئ الی اجل مسمی. کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

۲۹ ر ذیقعدہ ۱۳۹۱ھ دوشنبہ

تقریر بخاری شریف (اردو)

از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مد فیوضکم

مرتبہ مولوی محمد شاہد صاحب سہارنپوری

یہ عظیم الشان تقریر کسی تعارف کی محتاج نہیں. حضرت اقدس دامت برکاتہم کا درس حدیث جو اس عصر کا ایک ممتاز ترین درس حدیث ہے اسکے نچوڑ کو اس تقریر میں بعینہٖ حضرت دامت برکاتہم کے الفاظ میں جمع کیا گیا ہے جسمیں سب سے زیادہ اہم حضرت شیخ دامت برکاتہم کی اپنی وہ آراء ہیں جو تراجم بخاری پر کلام کے دوران آپ نے پیش فرمائیں جن سے شروح کتب حدیث خالی ہیں۔ ائمہ اربعہ کے اختلاف کو احادیث متعارضہ کے درمیان جمع کو مختصر اور جامع الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ (زیر طبع)

عربی میں شروح حدیث کا بہترین ذخیرہ

بذل المجہود فی حل ابی داؤد کامل در پانچ جلد مؤلفہ حضرت شیخ المشائخ قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین، فخر المحدثین حضرت اقدس مولانا الحاج خلیل احمد سہارنپوری ثم المہاجر المدنی، یہ ابوداؤد کی نہایت ہی جامع اور مکمل شرح ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے جیسا کہ بعض مشائخ کی رائے ہے کہ یہ صرف ابوداؤد کی شرح نہیں بلکہ اکثر کتب حدیث کی شرح ہے تو بے محل نہیں ہوگا۔ اسلئے کہ اس مبارک کتاب میں دوسری کتب حدیث کے متعلق اشکالات جوابات اور انکی روایات پر بھی اکثر کلام کیا گیا ہے خصوصاً حنفیہ کے دلائل کو اہتمام سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور ان روایات کی توجیہ کیگئی ہے جو بظاہر مسلک حنفیہ کے خلاف ہیں، نیز تحقیقات عجیبہ و نکات لطیفہ پر مشتمل ہے۔ بالخصوص حضرت امام ابوداؤد کے اپنے اقوال یا اسانید کے اغلاق کا بہترین حل جو دوسری شروح میں نہیں ملتا اس مبارک شرح میں تفصیل کے ساتھ ملتا ہے۔ یہ کتاب عرصہ ہوا طبع ہوئی تھی مگر سب جلدیں ختم ہوگئیں، البتہ صرف پہلی جلد کتب خانہ یحیوی مظاہر علوم سہارنپور سے بقیمت پچیس روپے مل سکتی ہے۔ اور معلوم ہوا ہے کہ پاکستان میں پتہ ذیل پر اسکی طباعت شروع ہوگئی ہے اور پہلی و دوسری جلد طبع بھی ہوگئی بقیہ جلدیں زیر طبع ہیں، پتہ حسب ذیل ہے: "مکتبہ قاسمیہ ملتان" اور ندوہ میں ٹائپ پر بھی اسکی طباعت شروع ہوگئی ہے۔

لامع الدراری علی جامع البخاری یہ اعلیٰ حضرت قطب الارشاد امیر المؤمنین فی الحدیث العارف باللہ حضرت الحاج مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نور اللہ مرقدہ واعلی اللہ مراتبہ کی وہ تقریریں ہیں جو حضرت قدس سرہ نے بخاری شریف پڑھاتے ہوئے اردو زبان میں فرمائی تھیں اور انکے شاگرد رشید الادیب الاریب حافظ القرآن والحدیث مولانا محمد یحییٰ صاحب نے حضرت استاد کی ان تقاریر کو پڑھنے کے زمانے میں عربی میں نقل کیا تھا۔ اور شیخ الحدیث صاحب دام مجدہم نے ان کو اپنے بہترین قیمتی حواشی کے ساتھ مزین فرما کر طبع کرایا ہے۔ اس تالیف میں خاص طور سے امام بخاری کے تراجم کی اغراض اور احادیث کی مطابقت پر وضاحت سے کلام کیا گیا ہے۔ اور ایسی تحقیقات نادرہ بھی کیگئی ہیں جو دوسری شروح میں نہیں یہ شرح تین مجلدات میں ہے ۲۰×۲۶/۸ سائز پر اعلیٰ کتابت عمدہ طباعت کے ساتھ اہتمام سے شائع کیگئی ہے۔ جلد اول ۳۶۸ صفحات پر ہے۔ اس کے شروع ۱۵۲ صفحات کا مقدمہ بھی ہے۔

قیمت جلد اول مع مقدمہ پچیس ۲۵ روپے۔ اس کا مقدمہ غایت افادیت کی وجہ سے کہ اس میں امام بخاری کے اصول تراجم پر نہایت تحقیق و تفصیل سے کلام کیا گیا ہے جن کا عدد ستر تک ہو گیا اور شروح بخاری پر بھی مبسوط کلام کیا گیا ہے۔ علیحدہ بھی طبع کیا گیا ہے جس کی قیمت پانچ روپے ہے اور مولانا الحاج ابوالحسن علی صاحب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اپنی تقدیم کے ساتھ ٹائپ پر بھی اسکو طبع کرایا ہے قیمت بیس روپے صفحات جلد ثانی ۲۶ قیمت پچیس ۲۵ روپے۔

صفحات جلد ثالث ۴۸۴ قیمت بیس روپے۔

الکوکب الدری یہ بھی ان بیش بہا افادات کا مجموعہ ہے جو قطب عالم گنگوہی نے درس ترمذی شریف کے وقت فرمائے تھے اور حضرت اقدس مولانا محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہ نے عربی میں انکو قلمبند فرمایا تھا۔ ان کی افادیت تو اس سے ظاہر ہے کہ کبار مشائخ نے طبع ہونے سے پہلے ہی اسکی مختلف نقلیں کرائی ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم نے اپنے بیش قیمت حواشی سے اس پر چار چاند لگا دیے ہیں۔ ۲۶×۲۰ سائز پر دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے قیمت جلد اول ۱۲/- جلد ثانی ۸/-

اوجز المسالک شرح موطا امام مالک موطا امام مالک کو جو مرتبہ کتب حدیث میں حاصل ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ تمام مدارس میں زیر درس ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب دام مجدہ نے اسکی مفصل اور نہایت مبسوط شرح چھ جلدوں میں تصنیف فرمائی ہے۔ جس میں خاص طور سے امور ذیل کا اہتمام کیا گیا ہے۔ کلمات غریبہ اور مفردات کا حل۔ رواۃ کی تحقیق۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کی تشریح و توضیح اور کتب مالکیہ سے ان کی تائیدات ایسے طور پر کی گئی ہیں کہ جس سے امام مالک کے اقوال کی غرض واضح ہو جاتی ہے۔ ائمہ اربعہ کے مذاہب انکی فقہی کتب سے نقل کیے گئے ہیں۔ خاص طور سے مذہب حنفی کے دلائل کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ قیمت کامل چھ جلد مع مقدمہ ایک سو پانچ روپے اس کا مقدمہ بھی اپنی غایت افادیت کی وجہ سے بطور مستقل بھی طبع کیا گیا تھا جسکی قیمت تین روپے تھی اور اب ٹائپ پر مولانا ابوالحسن علی صاحب نے اپنی تقدیم کے ساتھ بہت آب و تاب سے شائع کرایا ہے قیمت ۱۲/-

جزء حجۃ الوداع و العمرات یہ رسالہ حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم نے اپنی ابتدائے مدرسی ۱۳۴۲ھ میں ایک دن ڈیڑھ رات میں لکھا تھا جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر حج کے قصے کو مسلسل متن بنایا ہے اور اسکے متعلق اختلاف روایات ائمہ اربعہ کے مذاہب اور مختلف روایات میں جمع کی طرف

اشارے بھی کیے گئے ہیں۔ اور مجمل روایات کا محمل بتایا گیا ہے۔ اور بہت سے ایسے واقعات میں احکام کی تعیین کی گئی ہے جس سے عام طور سے شراح نے کوئی تعرض نہیں کیا ہے۔ تالیف کے بعد سے اکابر مدرسین حدیث کتاب الحج پڑھاتے وقت اس رسالہ کو زیر نظر رکھتے تھے۔ بہت سی مرتبہ بعض دوستوں نے اسکی طباعت کا مشورہ دیا۔ مگر حضرت شیخ نے یہ کہکر انکار فرمادیا کہ یہ مجمل اشارات ہیں طباعت کیلئے نہیں ہیں۔ بلکہ بطور یادداشت کے ہیں لیکن ۸۹ھ میں مدینہ پاک کے قیام میں بلا کسی سبب کے اس کا داعیہ پیدا ہوا۔ اور مدینہ پاک سے واپسی پر ذی قعدہ ۸۹ھ میں اس کا از سر نو لکھنا شروع کیا جس میں کئی ماہ لگ گئے۔ اور اس کے اختتام پر شیخ نے خواب دیکھا کہ اسمیں حضور کے عمروں کا ذکر ضرور ہونا چاہیے اس پر حضور کے عمروں کا ذکر بھی از سر نو تالیف کیا گیا ہے یہ کتاب لیتھو میں $\frac{22 \times 29}{8}$ سائز پر طبع کی گئی ہے۔ صفحات ۱۲۰ قیمت تین روپے۔ یہ رسالہ مولانا الحاج ابوالحسن علی صاحب کی مساعی سے ندوۃ العلماء کے ٹائپ پر بھی طبع ہوا ہے قیمت پندرہ روپے

الابواب والتراجم للبخاری۔ یہ کتاب "درحقیقت شراح بخاری اور اپنے اکابر کی تحقیقات کا گلدستہ ہے۔ امام موصوف کے تراجم ابواب کی باریک بینی اور دقت نظر پر سیر حاصل بحث کی گئی۔ ابواب احادیث و آثار کے درمیان مناسبت تامہ کا مرقع" مدارس عربیہ کے علماء و فضلاء اور مدرسین حدیث کیلئے نعمت غیر مترقبہ ہے"

یعنی — حضرت علامہ محدث شہیر الحاج مولانا محمد زکریا صاحب مدفیوضہم العالیہ جنھوں نے تقریباً نصف صدی تک بخاری شریف کا درس دیا ہے، اپنے اثناء مطالعہ میں شراح بخاری اور اپنے اکابر بالخصوص حضرت قطب الارشاد گنگوہی اور محدث کبیر حضرت مولانا سہارنپوری کی تحقیقات و آراء جو تراجم بخاری سے متعلق تھیں انکو قلمبند فرماتے رہے۔ اور ان حضرات کے کلام میں غور و فکر اور اپنی ذاتی تحقیق و تنقیح کے بعد اصول بخاری کی تعداد ستر تک بیان فرمائی۔ اور ان اصولوں کی روشنی میں تراجم الابواب اور احادیث و آثار کے درمیان اس طرح مناسبت کو بیان فرمایا ہے کہ پوری کتاب انتہائی مرتب نظر آتی ہے اور ہر باب میں امام موصوف کی باریک بینی و دقت نظر اور استنباط و استخراج کا پورا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اسکی جلد اول ٹائپ اور لیتھو دونوں پر طبع ہو چکی ہے

قیمت مطبوعہ لیتھو ایک روپیہ پچاس پیسے قیمت مطبوعہ ٹائپ چھ روپے

ملنے کا پتہ: کتب خانہ یحیوی متصل مظاہر علوم سہارنپور

اردو تصانیف حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم

خصائل نبوی اردو ترجمہ شمائل ترمذی چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ اور عادات شریفہ کی خود حق سبحانہ وتقدس نے تعریف فرمائی ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات میں حدیث کی مشہور ومعروف کتاب شمائل ترمذی کا اردو ترجمہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ العالی نے بڑے دلچسپ انداز میں فرمایا ہے۔ قیمت چھ روپے۔

فضائل قرآن جس میں قرآن پاک کے فضائل میں چالیس احادیث مع ترجمہ و شرح۔ اس کے بعد سات احادیث متفرق احکام قرآن میں، اور بعد میں ایک چہل حدیث نہایت مختصر ایک صفحہ کی تحریر کیگئی ہے۔ تاکہ اس مختصر حدیث کو یاد کرنے سے چہل حدیث کے حفظ کرنے کے فضائل آسانی سے حاصل ہو جائیں۔ قیمت پچھتر پیسے

حکایات صحابہؓ جو حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ رائپوری کے تعمیل ارشاد میں لکھی گئی ہے۔ اس میں صحابی مردوں صحابی عورتوں اور بچوں کے زہد وتقوی فقر وعبادت، علمی مشاغل، ایثار وہمدردی، بے مثل جرأت وبہادری، حیرت انگیز جاں نثاری وغیرہ وغیرہ کے ایمان افروز حالات درج ہیں۔ اس میں بارہ باب ہیں۔

باب اول دین کی خاطر سختیوں کے برداشت کرنے میں۔ باب دوم اللہ تعالی کا خوف، باب سوم صحابہ کا زہد وفقر، باب چہارم صحابہ کا تقوی، باب پنجم نماز کا شوق، باب ششم ایثار وہمدردی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔ باب ہفتم دلیری اور بہادری اور موت کا شوق، باب ہشتم علمی ولولہ، باب نہم حضور کی فرماں برداری اور امتثال حکم باب دہم عورتوں کا دینی جذبہ، باب یازدہم بچوں کا دینی جذبہ باب دوازدہم حضور کے ساتھ صحابہ کی محبت، اور آخر میں ایک خاتمہ ہے جس میں صحابہ کرام کے اجمالی فضائل اور ان کے ساتھ امت کو کیسا برتاؤ رکھنا چاہیے۔ قیمت۔ دو روپے

قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم یہ رسالہ ایک مکتوب ہے حضرت شیخ کا جو ممبران اسمبلی اور حکام کے نام لکھا گیا تھا جس میں جبریہ تعلیم سے قرآن پاک پڑھنے والوں کو جو نقصان پہنچتا ہے اسپر تنبیہ کیگئی ہے مسلمان حکام اور ممبران اسمبلی کو اسطرف متوجہ کیا گیا ہے کہ قرآن پاک کی حفاظت ہر مسلمان کا انتہائی

فریضہ ہے اسمیں قلمے قدمے جو کوشش ہو سکتی ہو دریغ نہ فرماویں۔ اور کوئی ایسی تقریر و تحریر نہ ہو جس سے قرآن پاک کی تعلیم میں کوئی رکاوٹ ہوتی ہو۔ کہ دنیا کی زندگی بہت کم ہے اور آخرت کی زندگی کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ قیمت چالیس پیسے۔

فضائل نماز اس میں وہ احادیث جمع کیگئی ہیں جن میں نماز پڑھنے کی فضیلت نماز چھوڑنے کا عذاب، جماعت کا ثواب اور اس کے ترک کی سزائیں اور نماز میں خشوع و خضوع کے واقعات ہیں۔ ہر مضمون کے مناسب بزرگوں کے شوق و ذوق کی حکایات بھی درج ہیں۔ قیمت ایک روپیہ

فضائل ذکر جس میں حضرت مولانا الحاج محمد الیاس صاحبؒ بانی جماعت تبلیغ کے ارشاد سے وہ احادیث جمع کی گئی ہیں جس میں ذکر کی برکات، کلمہ طیبہ کے فضائل، اور سوم کلمہ یعنی تسبیحات فاطمہ کے ثواب وارد ہوئے ہیں۔ خاتمہ میں صلوٰۃ التسبیح کا مفصل بیان اور اسکی فضیلت اور اس کے پڑھنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔ قیمت دو روپے پچاس پیسے۔

فضائل رمضان اس میں تین فصلیں ہیں اور ایک خاتمہ۔ فصل اول میں دس احادیث رمضان کے فضائل میں، دوسری میں سات احادیث لیلۃ القدر کے بارے میں اور سورۃ القدر کی تفسیر ہے، تیسری فصل میں تین احادیث اعتکاف کے فضائل میں۔ خاتمہ میں ایک طویل حدیث ہے جو بہت سے مضامین نماز، لیلۃ القدر لیلۃ العید سب کا عطر اور خلاصہ پر مشتمل ہے قیمت ۶۰/

فضائل تبلیغ جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کے ارشاد سے لکھا گیا۔ اس میں سات فصلیں ہیں۔ فصل اول میں قرآن پاک کی آیات سے امر بالمعروف نہی عن المنکر کے فضائل اور ان کا حکم، فصل ثانی میں ان ہی مضامین کی احادیث اور فصل ثالث میں تنبیہ ہے اصلاح نفس پر فصل رابع میں فضائل اکرام مسلم و وعید تحقیر مسلم، فصل خامس میں اخلاص ایمان و احتساب، فصل سادس میں تعظیم علماء کرام و بزرگان دین، فصل سابع میں اہل حق کی پہچان اور انکی مجالست کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ قیمت چالیس پیسے۔

فضائل صدقات اس رسالہ کے دو حصے ہیں، پہلے حصہ میں پانچ فصلیں ہیں، فصل اول مال خرچ کرنے کے بیان میں، دوسری میں بخل کی مذمت تیسری میں صلہ رحمی، چوتھی میں زکوٰۃ کی تاکید، پانچویں میں زکوٰۃ نہ دینے پر وعیدیں، اور دوسرا حصہ دو فصلوں پر مشتمل ہے فصل اول

ہیں زہد و قناعت، اور فصل ثانی میں زاہدوں اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے والوں کی ستر حکایات درج کی گئی ہیں، قیمت حصہ اول تین روپے حصہ دوم چار روپے

فضائل حج اس میں دس فصلیں ہیں فصل اول حج کی ترغیب میں دوسری فصل حج نہ کرنے پر وعید میں، تیسری فصل سفر کی مشقت کے تحمل میں چوتھی فصل حج کی حقیقت میں پانچویں فصل حج کے آداب میں چھٹی فصل مکہ مکرمہ اور کعبہ کے فضائل میں ساتویں فصل عمرے کے فضائل میں آٹھویں فصل زیارت مدینہ طیبہ میں۔ نویں فصل آداب زیارت میں۔ اور دسویں فصل مدینہ طیبہ کے فضائل میں ہے، قیمت چار روپے

فضائل درود شریف جس میں پانچ فصلیں ہیں فصل اول درود شریف کے فضائل دوسری فصل خاص خاص درودوں کے خاص فضائل میں، تیسری فصل میں درود شریف کے ترک پر وعیدیں، چوتھی فصل فوائد متفرقہ کے بیان میں، پانچویں فصل درود شریف کے متعلق پچاس حکایات میں ہے نیز روضہ اقدس پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا طریقہ بھی اسمیں بیان کیا گیا ہے قیمت ایک روپیہ پچھتر پیسے

الاعتدال حضرت شیخ الحدیث صاحب کا وہ اہم مکتوب جسمیں سیاسی مسائل کے متعلق سات سوالات کا جواب انتہائی متانت اعتدال اور تفصیل سے لکھا گیا ہے جسمیں افراط و تفریط سے بچنے کی نہایت تاکید کی گئی ہے۔ سوال ۱ حضرت حکیم الامۃ اور حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہما کے درمیان باوجود دونوں کے اہل حق ہونے کے لیگ و کانگریس میں اتنا اختلاف کیوں ہے ۲ تیرے نزدیک ان دونوں میں سے کون حق پر ہے ۳ ہمیں ان دونوں میں سے کس کا اتباع کرنا چاہیئے ۴ مسلمان تباہ ہوتے جارہے ہیں آخر ان کو کیا کرنا چاہیئے ۵ آجکل ہر شخص اہل غرض ہے اپنی غرض کے پیچھے چلتا ہے ۶ علماء کا وقار عمداً گرایا جارہا ہے ۷ علماء کے اختلاف سے بہت نقصان پہنچ رہا ہے اس کتاب کا اہل حق کے آپس کے اختلاف کے زمانہ میں مطالعہ بہت ہی ضروری ہے۔ قیمت پانچ روپے۔

آپ بیتی ۱ یہ کوئی مستقل تالیف نہیں تھی بلکہ مولانا الحاج ابو الحسن علی میاں کے سوانح یوسفی مصنفہ مولوی سید محمد ثانی حسنی میں ایک باب اپنے قلم سے حضرت شیخ الحدیث صاحب کے متعلق لکھا اس کی طباعت پر حضرت شیخ نے ایک تنقید مفصل مولوی محمد ثانی کو لکھی کہ جو چیزیں اس سیہ کار کے متعلق لکھنے کی تھیں وہ تو آپ نے چھوڑ دیں اور جو نہ لکھنے کی تھیں وہ لکھ دیں اور اس سلسلہ کی اپنی ابتدائی تربیت کے چند واقعات لکھے تھے۔ اس کے بعد محرم ۹۰ھ میں جب آنکھ بنوانے کیلئے علیگڈھ جانا ہوا تو آنکھ بند کئے ہوئے اسی سلسلہ کے کچھ اور واقعات دوستوں کے استفسار پر لکھوانے شروع کئے جو اندازہ سے زیادہ طویل ہوگئے۔ اس لئے ان کو آٹھ بابوں پر تقسیم کرکے آپ بیتی کا جز بنا دیا گیا۔ آپ بیتی ۲ باب اول زمانہ طفولیت اور طلب علم باب دوم زمانہ تدریس و تالیف ۳ میں باب سوم حضرت شیخ کی خصوصی عادات باب چہارم حوادث و شادیاں ۴ میں باب پنجم التحدیث بالنعمۃ باب ششم حلقہ مجنوں کی تفصیل ۵ میں باب ہفتم تقسیم ہند اور باب ہشتم متفرقات۔ قیمت آپ بیتی ۱ چالیس پیسے۔ آپ بیتی ۲ ۲/۵۰ آپ بیتی ۳ ۳/- آپ بیتی ۴ ۴/- آپ بیتی ۵ ۳/۵۰

ملنے کا پتہ کتب خانہ یحیوی مظاہر علوم سہارنپور